بیادگار شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ
جامعہ حسینیہ مدنی نگر کشن گنج بہار کا علمی ادبی دینی دعوتی اور اصلاحی ترجمان
دو ماہی
ندائے حسین
کشن گنج
زیر سرپرستی
حضرت اقدس الحاج مولانا محمد غیاث الدین صاحب مدظلہ العالی
مہتمم جامعہ ہذا
مدیر مسئول
جناب مولانا محمد ریاض الدین صاحب قاسمی
بن حضرت مہتمم صاحب
ایڈیٹر
محمد منظر نعمانی قاسمی
شمارہ ۲۵
نومبر، دسمبر ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ

جامعہ حسینیہ مدنی نگر کشن گنج بہار کا علمی، ادبی، دینی، دعوتی اور اصلاحی ترجمان

دو ماہی ندائے حسین کشن گنج

جلد ⑥ شمارہ ۲۵

نومبر، دسمبر ۲۰۱۸ء

زیر سرپرستی: حضرت اقدس الحاج مولانا محمد غیاث الدین صاحب قاسمی مدظلہ

بانی و مہتمم جامعہ ہذا و خلیفۂ مجاز فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ

مجلس مشاورت

حضرت اقدس الحاج مولانا محمد اسرار الحق صاحب قاسمی (ایم پی کشن گنج)

جناب مفتی محمد جاوید اقبال صاحب قاسمی پرنسپل انجمن اسلامیہ کشن گنج

جناب مولانا محمد ممتاز عالم صاحب مظاہری مہتمم ادارہ فیض القرآن ٹھکری باڑی

جناب الحاج مولانا محمد غلام مصطفےٰ صاحب قاسمی صدر المدرسین جامعہ ہذا

جناب الحاج مولانا عبد الحمید صاحب قاسمی ناظم تعلیمات جامعہ ہذا

جناب مولانا و مفتی محمد جنید صاحب مظاہری استاذ جامعہ ہذا

مجلس ادارت

مدیر مسئول: جناب مولانا محمد ریاض الدین صاحب قاسمی بن حضرت مہتمم صاحب

ایڈیٹر: مفتی محمد مناظر نعمانی قاسمی 9973780950

نائب ایڈیٹر: مفتی محمد دانش انور صاحب قاسمی

معاون: مولانا جرار حسین صاحب بدری

رابطہ کا پتہ
Jamia Husainia
Madni Nagar Firingura
Kishanganj (Bihar)855107

سالانہ زرتعاون	خصوصی زرتعاون
Rs: 100	Rs: 500

فی شمارہ Rs: 25

شائع کردہ: دفتر ندائے حسین جامعہ حسینیہ مدنی نگر کشن گنج بہار ۸۵۵۱۰۷

+91 9973780950
+91 9472477241
E-mail:nidaehusain@gmail.com / E-mail:noumaniqasmi@gmail.com

اس شمارہ میں

تحفظ ختم نبوت

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿سورہ الاحزاب آیت نمبر ۴۰﴾	ترجمہ: (مسلمانو!) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔

ختمِ نبوت، پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعزاز بھی ہے اور امتیاز بھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وشوکت کی دلیل بھی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا شرف وافتخار بھی۔ پہلے تمام نبی اور رسول خاص وقت، خاص علاقے اور خاص قوم وقبیلہ کی طرف مبعوث ہوئے اور اپنا اپنا وقت گزار کر رخصت ہوتے رہے، بلکہ یوں بھی ہوا کہ ایک ایک وقت میں، ایک ایک علاقے اور قوم میں ایک سے زائد نبی ورسول مبعوث ہوتے رہے۔ جب کہ امام الانبیاء خاتم النبین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے انبیاء ورسل کی طرح مخصوص عہد، مخصوص قوم اور مخصوص علاقے کی بجائے اپنی بعثت کے وقت سے لے کر تا قیام قیامت ہر عہد اور علاقے کے ہر ذی نفس جن وبشر کے لئے ہادی ورہبر کی حیثیت سے مبعوث ہوئے۔ دین تو حضرت آدم کے وقت سے ''اسلام'' ہی رہا البتہ شریعتیں ہر نبی ورسول کی مختلف رہی ہیں۔ چنانچہ ایک نبی دنیا سے رخصت ہوتا تو دوسرا اس کی جگہ (یا بعد) آجاتا تھا، مگر جب آقائے مکی ومدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دین کو مکمل واتم کر دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''خاتم النبیین'' کے اعزاز سے نوازا گیا۔ ختم نبوت کا تاج، پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس پر یوں رکھا گیا کہ پھر دنیا جہان میں کسی طرف بھی کوئی نبی ورسول نہیں آیا۔ یہ بھی ایک دلیل ہے کہ ''ختم نبوت'' کا تاج، ایک عظمت کی حیثیت سے آپ کو عطا ہوا ہے۔ اسی لئے مسلمان

جہاں یہ مضبوط عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''پیارے رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نبوت ورسالت کے حوالے سے سوچنا بھی گناہ ہے۔'' وہاں یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اب اگر کوئی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے تو وہ پیارے رسول اللہ ﷺ کی عظمت وحرمت پر ''حرف گیری'' کا مرتکب ہوتا ہے۔ عقیدۂ ختم نبوت، امت مسلمہ میں یوں اتفاقی اور یقینی ہے کہ علماء کرام نے کہا: اگر کوئی جھوٹا مدعی، نبوت کا دعویٰ کرے تو اس سے نبوت کی دلیل طلب کرنا بھی کفر کے مترادف ہے۔

حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت انور شاہ کشمیریؒ کا آخری وقت تھا کمزوری بہت زیادہ تھی، چلنے کی طاقت بالکل نہ تھی، فرمایا کہ مجھے دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں پہنچا دیں، اس وقت کاروں کا زمانہ نہ تھا ایک پالکی لائی گئی، پالکی میں بٹھا کر حضرت شاہ صاحب کو دارالعلوم کی مسجد میں پہنچا دیا گیا، محراب میں حضرت کی جگہ بنائی گئی تھی وہاں پر بٹھا دیا گیا تھا، حضرت کی آواز ضعف کی وجہ سے انتہائی ضعیف اور دھیمی تھی۔ تمام شاگرد حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے ارد گرد ہمہ تن گوش بیٹھے تھے آپ نے صرف دو باتیں فرمائیں، پہلی بات تو یہ فرمائی کہ تاریخ اسلام کا میں نے جس قدر مطالعہ کیا ہے اسلام میں چودہ سو سال کے اندر جس قدر فتنے پیدا ہوئے ہیں، قادیانی فتنہ سے بڑا فتنہ اور سنگین فتنہ کوئی بھی پیدا نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ فرمائی حضور ﷺ کو زیادہ خوشی اس شخص سے ہوگی جو اس کے استیصال کیلئے اپنے آپ کو وقف کرے گا اور رسول اکرم ﷺ اس کے دوسرے اعمال کی بہ نسبت اس کے اس عمل سے زیادہ خوش ہوں گے اور پھر آخر میں جوش میں آکر فرمایا! کہ جو کوئی اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے اپنے آپ کو لگادے گا، اس کی جنت کا میں ضامن ہوں۔

اس وقت علاقہ میں قادیانیت ''شکیل بن حنیف'' کے نئے نام سے اپنا فتنہ پھیلا رہا ہے، اور بہت سے لوگ لاعلمی، کم علمی یا دنیاوی اغراض ومقاصد اور لالچ کی وجہ سے اپنے دین وایمان کا سودا کررہے ہیں، اللہ جزائے خیر عطا فرمائے جمعیۃ علماء کشن گنج سے وابستہ تمام اراکین وذمہ داران کو کہ وہ اپنی دیگر مصروفیات پر اس فتنہ کی سرکوبی کو ترجیح دیتے ہوئے سرگرم عمل ہیں، آپ حضرات بھی آگے آئیں اور سادہ لوح مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ کے ساتھ ساتھ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کر کے اپنی آخرت اور نجات کا کچھ سامان کر لیجئے۔

اداریہ:

جوار رحمت میں

یہ دنیا فانی ہے، اس میں کسی کو بقاء ودوام حاصل نہیں، جو تھے وہ چلے گئے، اور جو ہیں ان کو بھی جانا ہے، پھر جو آئیں گے ان کو بھی جانا ہوگا، اس لئے کہ یہاں جو بھی آتا ہے وہ جانے ہی کے لئے آتا ہے، مگر مبارک ہیں وہ لوگ جو اس دنیا کی بے ثباتی اور فنا کو سمجھتے ہیں، اور عقلمند ہیں وہ لوگ جو اس کی بے ثباتی سے سبق حاصل کر کے باقی اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لئے کچھ کر جائیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عقلمند ہونے کی بشارت ان الفاظ میں آئی ہے کہ: الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت (ترمذی:2459) عقلمند وہ ہیں جو اپنے نفس کی حفاظت کر لے اور موت کے بعد والی زندگی کے لئے عمل کرے۔

اس دنیا میں ہوش وخرد کے کتنے ہی دعویدار ہیں جو اپنوں کو اپنا کاندھا دے کر ان کی لحد تک لے جاتے ہیں اور منوں مٹی تلے انہیں تنہا چھوڑ آتے ہیں، ان جانے اور لے جانے والوں میں نوجوان، جوان، بوڑھے اور بچے سب ہوتے ہیں مگر عبرت حاصل کرنے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں، کتنے بوڑھے باپ ہیں جو اپنے جوان بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے سپرد خاک کرتے ہیں، مگر اپنی خواہشات اور آرزؤں کو اس وقت بھی وہ سپرد خاک نہیں کر پاتے، جبکہ اس حقیقت سے نہ کسی کو انکار ہے اور نہ کسی میں مجال انکار ہے کہ دنیا اور اس کی فانی لذتوں کو ایک دن انہیں بھی چھوڑ کر یہیں منوں مٹی تلے آکر اسی طرح رہنا ہوگا، جب نہ کوئی ان کا مونس ہوگا اور نہ کوئی غمگسار، ہاں جس نے قبر کی بوسیدہ ہڈیوں، اور اونچے اونچے پختہ مکانوں میں رہنے والوں کی پرانی قبروں سے کچھ عبرت ونصیحت حاصل کی ہوگی، اور اپنی ابدی حیات کے لئے کچھ کر لایا ہوگا اس کی بات اور ہے۔ کیوں کہ یہی تو وہ لوگ ہیں جو فی عیشۃ راضیۃ کے مصداق حقیقی ہیں، بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی زندگیاں علم کی طلب اور اس کی اشاعت میں بسر ہوئیں، وہ اپنے خالق سے ملے ہی اس حال میں کہ وہ ان کے دین متین کے خدمتگار تھے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے

لسان صدق فی العالمین کا اعزاز بخشا ہے، راہِ حق کے انہی مسافروں میں ہمارے تین قریبی ہمدم اور رفقاء محترم ہیں جن کچھ ذکر خیر یہاں مقصود ہے:

قاری محمد ارشاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ بالوباری کے مشہور صاحب اثر ورسوخ اور ذی وجاہت جناب مکھیا سعید الرحمن صاحبؒ کے فرزند ارجمند تھے، تواضع اور شرافت آپ کی خاندانی پہچان تھی، قاری صاحب بہت ملنسار، خلیق، متواضع اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے، جامعہ میں وہ شعبۂ دینیات کے ایک کامیاب اورنہایت تجربہ کار استاذ تھے۔ان کے انتقال سے پورا جامعہ سوگوار ہے، حتیٰ کہ میں نے ان کے پاس پڑھنے والے چھوٹے چھوٹے اور معصوم بچوں کو بھی ان کی وفات کی خبر کے بعد ان پرآنسو بہاتے دیکھا جنہیں موت وحیات کا کچھ زیادہ شعور بھی نہیں، رات میں ۱ر بجے کے قریب میرے موبائل کی گھنٹی بجی اوراس اندوہناک خبر کے بعد جب میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو کچھ ہی لمحوں میں جامعہ کے کئی اساتذہ اور جمع ہوگئے میں نے اس وقت محسوس کیا کہ قاری صاحب کے اس غم سے نڈھال صرف ہم اساتذہ ہی نہیں بلکہ یہاں کے درودیوار بھی مجھے سوگوار نظر آئے، اور کیوں نہ سوگوار ہوں کہ انہوں نے زندگی کی ایک دہائی تک یہاں اپنی خدمات پیش کی ہیں، جن کے انمنٹ نقوش آج ان در دیوار پر ثبت ہیں، مرحوم گذشتہ دس سالوں سے جامعہ کے شعبۂ دینیات سے وابستہ تھے آج ان کے سیکڑوں شاگرد ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، قاری صاحب اپنے اخلاق حسنہ کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے، جامعہ کے کسی بھی فرد سے ان کو کسی طرح کی کوئی رقابت نہیں تھی، ساتھ اور ساتھی ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ ان سے مزاح ومذاق بھی خوب کرتے تھے، مگر ان کے صبر وتحمل نے کبھی انہیں جواب دینے نہیں دیا، وہ ہمیشہ سخت مزاح کو بھی مسکرا کر ٹال دیتے، اس دنیا سے جانا تو سب کو ہے، موت سے آج تک کسی کو رستگاری نہیں، مگر قاری صاحب ہمیشہ دلوں میں زندہ رہیں گے، ان کی یادوں کے نقوش لوح دل پر ثبت رہیں گے۔

جناب قاری صاحب تعلیم سے فراغت کے بعد سے ہی جامعہ سے وابستہ تھے، اور گذشتہ ۱۰ر سالوں سے ہی وہ کچھ بیماریوں میں مبتلا تھے جن کا علاج ومعالجہ بھی مسلسل کرتے رہے ابھی ۱۵ر اگست ۲۰۱۸ء کو جب جامعہ میں عید الاضحیٰ کی تعطیلات ہوئیں اس کے پہلے پہلے انہوں نے

اسلام پور کے ایک لیور اسپیشلیٹ ڈاکٹر سے معائنہ کروایا جس پر ڈاکٹر صاحب نے انہیں حیدرآباد ریفر کیا، اور عید الاضحیٰ کے بعد ۲۳ر اگست جمعرات کو وہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق حیدرآباد کے لئے روانہ ہوئے جہاں ان کا کامیاب آپریشن بھی ہوا، اور وہ جامعہ واپسی کے لئے پا بہ رکاب بھی تھے کہ اچانک بخار میں مبتلا ہوگئے اور پھر اس سے جانبر نہ ہوسکے، اور منگل ۴ر ستمبر ۲۰۱۸ء کو وہ ہاسپیٹل کے ایمرجنسی وارڈ میں زندگی اور موت کی جنگ لڑتے رہے اور بالآخر بدھ کی رات کو ا ر بجے کے قریب وہ اپنی آخرت سدھار گئے۔

ان کے جسد خاکی کو حیدرآباد سے ان کے وطن مالوف بالو باڑی (پدم پور) ضلع کشن گنج لایا گیا، اور ۶ر ستمبر ۲۰۱۸ء بروز جمعرات دن کے ۱۰ر بجے حضرت مولانا محمد غیاث الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی کی امامت میں ہزاروں علماء اور حفاظ اور ان گنت سوگواروں نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی، اب قاری صاحب وہیں آسودۂ خواب ہیں۔

مفتی عبدالحنان صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی عبدالحنان صاحب قاسمی بوڑھی ماری کشن گنج کے ایک شریف اور علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے والد ماجد مولانا عبدالصمد صاحب قاسمی دارالعلوم دیوبند کے پرانے معروف علماء میں ہیں، مبدأ فیاض سے آپ کو خودی اور خوداعتمادی، عزم و ہمت اور بلند حوصلگی کا وافر حصہ عطا ہوا تھا، آپ نے کم و بیش ۴۵ر سال کی عمر پائی اس چھوٹی سی عمر آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے معاً بعد بناض وقت حضرت الاستاذ مولانا عبدالخالق صاحب مدارسی دامت برکاتہم استاذ حدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند کے تعمیری کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں مدد و معاون رہے، مگر آپ کی طبیعت سماجی اور فلاحی کاموں کی طرف راغب تھی اس لئے کچھ عرصہ بعد آپ نے جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی اختیار کرلی اور تھوڑے ہی عرصہ میں مدنی خاندان سے اتنا قرب حاصل کیا کہ اوائل ۲۰۱۷ء میں جمعیۃ علماء کا اجلاس کٹھا مٹھا میں طے ہوا، جس میں قائد جمعیۃ حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے تو اور جگہوں کے ساتھ آپ بوڑھی ماری بھی تشریف لے گئے اس کے علاوہ ہم نے کئی مجلسوں میں حضرت قائد جمعیۃ مدظلہ کو حضرت مفتی صاحب مرحوم کے ساتھ بہت بے تکلفانہ اور دوستانہ ماحول

میں دیکھا جوان سے گہری وابستگی کا مکمل اظہار ہے۔اسی کے ساتھ اربابِ سیاست کے ساتھ بھی آپ کے گہرے مراسم تھے، بالخصوص سیمانچل کے گاندھی مرحوم تسلیم الدین صاحب سے آپ کے گھر جیسے تعلقات تھے، مگر آپ خودی اور خودداری کے ایسے بلند مقام پر فائز تھے کہ کبھی بھی آپ نے ان تعلقات کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے استعمال کرنا گوارا نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی حاجت براری میں ان تعلقات اور اثر ورسوخ کو استعمال کرنے کے قائل اور عادی تھے، کیوں کہ سماجی اور فلاحی کاموں میں دلچسپی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، اس کا اظہار مجھ پر اس وقت ہوا جب اگست ۲۰۱۷ء میں سیمانچل بالخصوص کشن گنج کے علاقہ میں تباہ کن سیلاب آیا اور جمعیۃ علماء کشن گنج نے جمعیۃ علماء ہند کے توسط سے جو بے مثال سماجی اور فلاحی کام کئے اور سیلاب متأثرین کی بازآبادکاری کی گئی اس موقع پر حضرت مفتی صاحبؒ کی فکر وکرب اور تڑپ قابل دید تھی، بلاشبہ اس طرح کی فکر ایک سچے خادم قوم میں ہی ہوسکتی ہے، اس موقع پر رات یا دن کے کسی بھی حصہ میں ہم لوگ انہیں جب جہاں یاد کرتے وہ ضرور پہونچتے۔

اپریل میں جمعیۃ علماء صوبہ بہار کا دسواں اجلاس عام چوں کے کشن گنج میں ہونا طے ہوا تو مفتی صاحبؒ اس میں بھی جی جان سے حاضر رہے اور بہت سے مشکل مراحل میں انہوں نے ہمارا تعاون کیا اس طرح گویا حضرت مفتی کی زندگی کے آخری ۹ر ماہ جمعیۃ کے کاز اور اس کے ساتھ مکمل وابستگی میں صرف ہوئے، اور اسی دوران ان کی وہ بیماری شروع ہوئی تھی جس سے جانبر نہ ہوسکنے کی وجہ سے وہ اللہ کے پیارے ہوگئے، بیماری بہت معمولی تھی مفتی صاحب سمیت کسی کو بھی اس کے مہلک شکل اختیار کرنے کا گمان نہ تھا، تاہم میرے سمیت بہت سے احباب ان کو اس بیماری کی صحیح تشخیص کی طرف توجہ دلاتے رہے مگر وہ چوں کے بہت ہی عالی ہمت واقع ہوئے تھے اس لئے اس بیماری کو معمولی انفیکشن سمجھ کر ٹالتے رہے، اور دہلی علاج کے لئے آپ تشریف لے گئے تو بات بہت آگے بڑھ گئی تھی، جہاں ڈاکٹروں نے تھوڑے ہی وقت میں لاعلاج قرار دیدیا، مگر اس کے باوجود بھی آپ بلند ہمتی کے اس مقام پر نظر آئے کہ انتقال سے کئی دن پہلے جب میں ان کے دولت کدہ پر عیادت کے لئے حاضر ہوا تو باوجودیکہ وہ صرف ہڈیوں کا معمولی ڈھانچہ تھے اور زندگی کی معمولی رمق باقی رہ گئی تھی ان کے نحیف ونزار وجود کو دیکھ کر میرے اندر کی قوت برداشت جواب دے گئی

اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں بہ پڑا مگر اللہ غریق رحمت کرے کہ مفتی صاحبؒ پر ایسے وقت میں بھی نہ کوئی جزع فزع تھا، نہ لب پر کوئی شکوہ، بلکہ پوری بشاشت سے ملے اور ہاتھوں کے اشارہ سے بارگاہِ رب الصمد میں دعا کا حکم ہوا، آپ کے والد محترم کا بھی کہنا تھا کہ ان بیماریوں میں بہت سے لوگوں کو بہت کراہتے اور کرب کا اظہار کرتے دیکھا مگر مفتی صاحب میں اللہ نے قوت برداشت دی ہے اور بلند ہمتی کا ایسا جوہر عطا ہوا ہے کہ ان کو کسی وقت بھی میں نے پریشان نہیں دیکھا۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے، اس سے کس کو مفر ہے، یہ اواخر شوال ۱۴۳۹ھ کی بات ہے کہ حضرت مفتی صاحب سے راہ چلتے چلتے بہت دیر تک ہوئی، گفتگوئی جس دوران بیماری سے متعلق بھی دریافت کرنے پر انہوں نے قابل اطمنان جواب دیا، مگر کیا علم تھا یہ ان سے آخری گفتگو ہوگی، لیکن ہوا یہی کہ اس کے کئی دن بعد ہی آپ دہلی گئے وہاں سے واپس تشریف لائے، اور تقریباً ڈھائی ماہ بستر مرگ پر موت وحیات کی جنگ لڑتے ہوئے ۱۶ر محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۸ر دسمبر ۲۰۱۸ء بروز جمعہ، جمعہ کی اذان کے وقت تقریبا ۴۵ر سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے، پسماندگان میں والد، والدہ، کئی بھائی بہن، اور ۳ر چھوٹے چھوٹے معصوم لڑکے اور اہلیہ ہیں، جمعہ ہی دن کے بعد نمازِ مغرب بوڑھی ماری مدرسہ کے احاطہ میں آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے والد بزرگوار نے پڑھائی جس میں علاقہ کے ہزاروں علماء، اکابرین اور حفاظ کرام نے شرکت کی، اور وہیں آپ کے آبائی قبرستان میں نم آنکھوں کے ساتھ آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، تمام پسماندگان بالخصوص ان کے یتیم بچوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا عبدالباسط صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالباسط صاحبؒ نے خوش اخلاقی، اور دوسرے کے کام آنے کا ہنر اپنے والد مرحوم جناب جمال الدین صاحبؒ سے ورثہ میں حاصل کیا، بچپن کی تعلیم گھر ہی کے مدرسہ میں ہوئی پھر آپ نے راجستھان میں حفظ قرآن کریم کی سعادت حاصل کی، اور اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے لئے گجرات کا رخ کیا اور دارالعلوم رامپورہ سے عربی سوم کی تکمیل کرکے گجرات کے مشہور ادارہ جامعہ

حسینیہ راندیر سورت گئے اور وہیں سے آپ کو سند فراغت حاصل ہوئی، اور آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز بھی گجرات کے مشہور عالم دین مولانا ارشد میر صاحب دامت برکاتہم کے ادارہ سے کی اور دو سال اپنی بیش قیمت خدمات پیش کرنے کے بعد کشن گنج کے معروف دینی ادارہ مدرسہ تجوید القرآن کاغذیہ محلہ آ گئے اور اپنی زندگی کے بہت قیمتی ۸/سال یہاں گذارے اس درمیان آپ نے ادارہ کی بڑی خدمت کی اور سچائی یہی ہے کہ آپ نے اس ادارہ کی خدمت سے ادارہ کو شہرت کی بلندیوں تک پہونچایا اور صلہ میں رب کریم نے بھی آپ کو ایک منفرد مقام عطا کیا، اس درمیان آپ کے تعلقات صرف نہ شہر بلکہ پورے ضلع کے ساتھ ساتھ بیرون کشن گنج کی بھی عظیم شخصیات کے ساتھ استوار ہوئیں، مبدأ فیاض سے آپ کو رجال شناسی کے ساتھ ساتھ ان کو اپنا ہمنوا بنانے کا بڑا ملکہ ملا تھا، آپ چند لمحوں میں اچھے اچھے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کا ہنر جانتے تھے، آپ نے اپنی صلاحتوں کو مزید اجاگر کرنے اور دینی خدمات کے دائرہ کار کو بڑھانے کے لئے ابھی دو سال قبل اپنے رفیق ومونس جناب قاری مشکور صاحب مدظلہ العالی کے ساتھ مل کر ''جامعہ محمود المدارس'' کی داغ بیل ڈالی اور اس قلیل عرصہ میں اس ادارہ کو اپنی خداداد صلاحتیوں سے نکھارنے کا کام کیا، آپ دوسروں کو ساتھ لے کر چلنے اور ان کے ساتھ گھل مل کر رہنے والے انسان تھے۔

ادھر گذشتہ ۲/ٹرم سے آپ جمعیۃ علماء کشن گنج کے ایک فعال سکریٹری تھے، اس دوران میری ان سے پوری رفاقت رہی اور اس دوران میں نے ان کے اندر ایک بڑی خوبی یہ دیکھی کہ آپ اپنے کئے ہوئے عزم پر جمنے والے اور اس کو تکمیل تک پہونچا کر ہی سانس لینے کے عادی تھے، انہوں نے کم وبیش ۳۷/سال کی زندگی پائی جن میں خدمت کے ۱۰/سال کا قلیل عرصہ ہے مگر اس تھوڑے عرصہ میں انہوں نے مقام محبوبیت حاصل کی جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ان کی وفات پر ان کے اہل خانہ سے زیادہ ان کے متعلقین اور محبین بالخصوص اہل علم اور علماء کو روتا بلکتا دیکھا گیا، بلاشبہ یہ مقام بہت کم ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ انہوں نے جمعیۃ کے کاز کو بڑے خوش اسلوبی کے ساتھ جلا بخشا، رات یا دن کے کسی بھی حصہ میں کسی بھی کام کے لئے بس ایک فون کافی ہوتا تھا، وہ جمعیۃ کے استحکام اور کی فعالیت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہنے والے انسان اور گوناں گوں خوبیوں کے مالک تھے۔

۸/ اکتوبر ۲۰۱۸ء کو جمعیۃ علماء کشن گنج کی مجلس عاملہ اور منتظمہ کی میٹنگ موتی باغ کشن گنج میں ہوئی جس کے میزبان مولانا مرحوم ہی تھے، میری طبیعت ناساز تھی اس لئے حاضری سے معذرت کر چکا تھا، مگر مولانا کا اصرار اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے مجھ ناچیز کے لئے گاڑی بھیجوادی اور مشفقانہ حکم فرمادیا کہ آپ آجائیں وہاں کے بجائے یہاں آرام کرلیں، تعمیل حکم کے لئے حاضر ہوا، مگر یہ کس کو خبر تھی کہ میری ان سے یہ آخری ملاقات ثابت ہوگی، اس کے صرف ۱۰/ دن بعد ہی یعنی ۱۸/ اکتوبر کو جمعیۃ علماء کشن گنج کے طرف سے علاقہ میں تحفظ ختم نبوت کے پروگراموں کی ترتیب بنی تو معلوم ہوا کہ آپ بیمار ہیں، اور بخار لاحق ہے، اسی بخار نے اپ کو اپنی گرفت میں اس مضبوطی سے پکڑا کہ اس کی پکڑ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی اور اس کے صرف ۴/ دنوں کے اندر اندر آپ ہم سب کو تنہا کو چھوڑ کر راہی ملک عدم ہو گئے۔ ۲۰/ اکتوبر کو بہتر علاج کے لئے آپ کو سیلی گوڑی کے نیوٹا ہاسپیٹل ریفر کیا گیا جہاں جمعیۃ علماء کشن گنج اہم اور فعال اراکین مولانا محمد نوید صاحب قاسمی اور مولانا معروف صاحب قاسمی اخیر تک آپ کے ہمراہ رہے، وفات سے ایک دن قبل ۲۲/ اکتوبر کو عیادت اور خبر گیری کے لئے جمعیۃ علماء شہر کشن گنج کے سکریٹری مولانا محمد ریاض الدین صاحب قاسمی کے ہمراہ احقر بھی سلی گوڑی گیا اور مولانا مرحوم سے آخری ملاقات ہوئی، ۲۳/ کی شام کو جمعیۃ علماء بہار کے تربیتی پروگرام میں شرکت کے لئے پٹنہ روانہ ہو چکا تھا کہ مولانا کی وفات کی جانکاہ خبر ملی، یوں ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز منگل رات ۹/ بجے کے قریب جمعیۃ علماء کشن گنج کے عظیم اور فعال رکن وسکریٹری صاحب ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے۔ ۲۴/ اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز بدھ ان کے آبائی قبرستان میں سیکڑوں علماء اور حفاظ اور آپ کے اعزہ واقرباء نے نم آنکھوں کے ساتھ آپ کو سپردِ خاک کیا، اللہ غریق رحمت کرے، ان کے تمام پسماندگان بالخصوص ان کے ۳/ چھوٹے چھوٹے اور معصوم بچوں (جن میں ایک بچہ اور ۲/ بچی شامل ہیں) کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ختم نبوت اور ہماری ذمے داریاں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

انسان اس دنیا میں خود اپنے ارادہ سے پیدا نہیں ہوا ہے، بلکہ پیدا کیا گیا ہے، دنیا میں بہت سی چیزیں اس کے لیے فائدہ مند ہیں اور بہت سی چیزیں مضرت رساں، وہ خود اپنے نفع ونقصان سے بھی کماحقہ واقف نہیں، اس کے اندر قسم قسم کی خواہشات اور آرزوئیں ہیں اس کے نفس میں ایسی حسرتیں بھی پلتی رہتی ہیں جو اسی کے جیسے دوسرے انسانوں کے لیے تباہی وبربادی اور نقصان کا باعث ہیں، بعض ایسی تمنائیں بھی دل میں مچلتی اور ذہن کو بے قرار رکھتی ہیں، جو اس کے لیے نہ صرف روحانی، بلکہ مادی اور جسمانی اعتبار سے بھی انتہائی نقصان دہ ہوتی ہیں، اس لیے اگر انسان کو زندگی گزارنے کے بارے میں آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا جائے، تو وہ نہ صرف دوسروں کے لیے بلکہ خود اپنے لیے بھی طرح طرح کی مصیبتیں اور مشکلات پیدا کرسکتا ہے، اس لیے اسے صحیح طریقہ پر زندگی گزارنے کے لیے پیدا کرنے والے کی جانب سے ہدایت نامہ کی ضرورت ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ ہدایت نامہ کسی انسان ہی کے ذریعہ آئے اور وہ اس پر عمل کر کے دکھائے اور بتائے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر دور میں اس کی تعلیم وتربیت کا سروسامان بھی فرمایا، چناں چہ انسان کی راہ نمائی کے لیے اللہ نے ہدایت نامے بھیجے، جسے کتاب اللہ کہا جاتا ہے اور اسے پہنچانے اور عملی طور پر اسے برت کر دکھانے کے لیے انبیائے کرام کو بھیجا۔

حضرت آدم علیہ السلام جیسے پہلے انسان تھے، ویسے ہی پہلے پیغمبر بھی تھے، نبوت ورسالت کا یہ سلسلہ پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا، چوں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور تھی کہ سلسلۂ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہوجائے، اس لیے قدرتی طور پر وہ اسباب بھی باقی نہ رہے جن کی وجہ سے نئے نبی کی ضرورت پیش آتی تھی، نیا نبی یا تو اس لیے بھیجا جاتا تھا کہ احکام شریعت میں کوئی تبدیلی مقصود ہوتی اور قرآن نے واضح کردیا کہ اب شریعت الٰہی درجہ کمال

وتمام کو پہنچ گئی ہے اور نعمتِ ہدایت کا اہتمام ہو چکا ہے، **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** (المائدہ:3) یا نبی اس لیے بھیجے جاتے تھے کہ پہلے نبی پر ایمان رکھنے والوں میں کوئی ہدایت یافتہ اور حق پر ثابت قدم گروہ باقی نہ رہا ہو، یا اس لیے کہ پہلے جو آسمانی کتاب اتری ہو، لوگوں نے اس میں ملاوٹ پیدا کر دی ہو، نبوت محمدی کا معاملہ یہ ہے کہ جو کتاب آپ پر نازل ہوئی وہ ایک زبر زیر کی تبدیلی کے بغیر موجود اور محفوظ ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس امت میں بہت بڑا طبقہ راہ ہدایت پر قائم ہے اور قائم رہے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ امت کبھی بھی گم راہی پر متفق نہیں ہو سکتی، لا تجتمع امتی علی ضلالۃ، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

چناں چہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر طرح کی نبوت ختم ہو چکی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت باقی نہیں رہی، یہ نہ صرف امت کا اجماعی عقیدہ ہے، بلکہ اس پر قرآن مجید اور صحیح حدیثیں ناطق ہیں، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں، ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین، (الاحزاب:40) آسمانی صحائف میں ہمیشہ اگلے رسول کے بارے میں امت سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ ان پر ایمان لائیں گے، اگر آپ کے بعد کسی نبی کی آمد ممکن ہوتی تو ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پوری اہمیت اور وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہوتا، لیکن قرآن مجید نے کہیں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا، بلکہ اس کے برعکس بہت ہی واضح الفاظ میں آپ کے آخری نبی ہونے کا اعلان فرمایا گیا اور اشارۃً تو کتنے ہی مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حدیثیں اس سلسلہ میں اتنی کثرت اور وضاحت کے ساتھ مروی ہیں کہ ان کا احاطہ دشوار ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اور انبیاء کی مثال ایسے محل کی ہے جسے نہایت ہی خوب صورت طریقہ پر بنایا گیا ہو اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ بچی ہو دیکھنے والے اسے دیکھتے ہوں اور اس کے حسن تعمیر پر حیرت زدہ ہوں، سوائے اس اینٹ کی جگہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں وہی اینٹ ہوں، مجھ پر عمارت مکمل ہو گئی ہے، رسولوں کا سلسلہ ختم ہوا اور میں آخری نبی ہوں۔ (بخاری: 1/501) حضرت ابو ہریرہ ہی کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ چھ باتوں میں آپ کو تمام انبیاء پر

فضیلت دی گئی، ان میں دو باتیں یہ تھیں کہ آپ تمام مخلوقات کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔(مسلم:199 / 1) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ عنقریب میری امت میں تیسیوں جھوٹے نبی پیدا ہوں گے، جو کہیں گے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، حالاں کہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔(ابوداؤد:584 / 1)۔

حدیثوں نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی طرح کی نبوت باقی نہیں رہی، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے بعد نبوت کی گنجائش ہوتی تو تم نبی ہوتے، لوکان بعدی نبیاً لکان عمر۔(ترمذی:209 /2) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ تم میری نسبت سے ویسے ہی ہو جیسے حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام تھے، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا: انت منی بمنزلة هارون من موسی، إلا أنه لانبی بعدی۔(بخاری:633 /2)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا، میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو، انا آخرالانبیاء وانتم آخرالامم۔(ابن ماجہ:207، باب فتنۃ الدجال)۔

چوں کہ یہود و نصاریٰ کو اسلام سے ہمیشہ سے عناد رہا ہے اور انہوں نے میدان جنگ سے لے کر معرکہ فکر و نظر تک ہر جگہ اسلام پر یلغار کی ہے، اس لیے انہوں نے اپنے استعماری دور میں ایک نئی تدبیر سوچی کہ کسی شخص کو نبوت کا علم بردار بنا کر کھڑا کیا جائے، تا کہ نبوت محمدی کے مقابل ایک نئی نبوت وجود میں آئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے امت محمد یہ کو جو محبت ہے وہ محبت تقسیم ہو جاتے، اس کے لیے ایک ایسے علاقہ کا انتخاب کیا گیا جو اس وقت انگریزوں کی عمل داری میں تھا، تا کہ ایسے جھوٹے مدعیٔ نبوت کی پوری حفاظت اور حوصلہ افزائی ہو سکے، چناں چہ پنجاب سے ایک شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کام کے لیے تیار کیا گیا، مرزا صاحب نے خود ہی اپنے بارے میں لکھا ہے کہ میں انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہوں، انگریزوں نے اپنی اس کاشت کو بار آور کرنے اور تقویت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

نبی کے دعوے میں کبھی تدریج نہیں ہوتی، یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ وہ آہستہ آہستہ دعویٔ نبوت تک پہنچے، حضرت موسی علیہ السلام آگ کی تلاش میں کوہِ طور پر پہنچے تھے، لیکن اچانک ہی نبوت سے سرفراز کیے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی نازل ہونے سے پہلے کبھی اس سلسلہ میں

کوئی گفتگو نہیں فرمائی کہ اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کا کلام لے نازل ہوئے، لیکن مرزا صاحب ایک ایک سیڑھی چڑھتے ہوئے دعویٔ نبوت تک پہنچے، پہلے اللہ کی طرف سے ملہم ہونے کا دعویٰ کیا، یعنی ان پر الہام ہوتا ہے، پھر دیکھا کہ حدیث میں حضرت مسیح کے نزول کی پیشین گوئی ہے، تو مسیح ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے، جب لوگوں نے کہا کہ حضرت مسیح کے زمانہ میں امام مہدی کا بھی ظہور ہوگا، کہنے لگے کہ میں ہی مہدی ہوں، پھر دعویٔ نبوت ہی کر بیٹھے۔ اولاً تو اپنی نبوت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا سایہ کہتے تھے، لیکن پھر اپنے کو حضور سے افضل کہنے سے بھی نہیں چوکے اور ان کے متبعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ہلال "یعنی پہلی شب" کا چاند اور مرزا صاحب کی دعوت کو "بدر کامل" یعنی چودھویں شب کا چاند قرار دیا، نبی کی بات میں تضاد نہیں ہوتا، مگر مرزا صاحب کے یہاں اس قدر تضادات ہیں کہ شمار سے باہر ہیں، نبی خدا کی صفات اور جلالت شان کو وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اپنی عبدیت و بندگی کو بے کم و کاست سامنے رکھ دیتا ہے، لیکن مرزا صاحب کا حال یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا کا مانند کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ (روحانی خزائن: 413 / 17) ایک موقع سے کہتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کر لیا کہ میں وہی ہوں۔ (روحانی خزائن: 564 / 5) مرزا صاحب اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ یا خدا خود آسمان سے اُتر آیا ہے، کان اللہ نزل من السماء۔ (اشتہار 20 فروری 1886ء)

نبی کی زبان بہت ہی شائستہ اور مہذب ہوتی ہے، دشمنوں کے بارے میں بھی تہذیب واخلاق سے گری ہوئی بات اس کی زبان اور قلم پر نہیں آتی، لیکن مرزا صاحب کے یہاں اپنے مخالفین کے لیے سور، کتے، حرامی وغیرہ کے الفاظ عام ہیں اور انہیں اس طرح کے تخاطب میں کوئی تکلف نہیں، کہتے ہیں کہ "جو ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا، تو صاف سمجھا جاوے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے، حرام زادہ کی یہی نشانی ہے کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔ (نور الاسلام: 30) مشہور عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری کو "کتا، مردار خوار" (روحانی خزائن: 309 / 11) مولانا محمد حسین بٹالوی کو "پلید، بے حیا، سفلہ، گندی کارروائی، گندے اخلاق وغیرہ" کے القاب سے نوازا ہے، مولانا سعد اللہ لدھیانوی کو "نطفہ سفہا، کنجری کا بیٹا"۔ یہ کلمات بطور نمونہ کے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن زیادہ لعنت کرنے والا نہیں ہوسکتا، خود مرزا صاحب نے کہا ہے کہ مومن لعّان نہیں ہوتا۔ (روحانی خزائن: 456 / 13) لیکن خود مرزا صاحب نے عیسائیوں کے

خلاف جو کتاب لکھی تو محض چار صفحات میں ایک ہزار بار صرف لعنت لعنت کے کلمات لکھے (حوالہ سابق: 158-63/8) اس سے مرزا صاحب کی زبان و بیان کے معیار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے او رغور کیا جاسکتا ہے کہ نبی تو کجا کیا کسی مہذب آدمی کو بھی ایسے الفاظ زیب دیتے ہیں؟

مگر افسوس کہ جن مسلمانوں کو مذہبی معلومات حاصل نہیں ہیں، یا جو لوگ دیہات میں رہتے ہیں اور وہ کلمہ اور نماز اور دین کے بنیادی احکام سے بھی ناواقف ہیں، وہ دھوکہ میں آجاتے ہیں اور ظاہری طور پر کلمہ کی وحدت اور کچھ عمومی افعال میں یکسانیت کی وجہ سے لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں، پھر جہاں حقیقتِ حال کا ان کو علم ہوتا ہے اور مسلمان وہاں پہنچتے ہیں وہاں سے ان غارت گرانِ ایمان کو راہ فرار اختیار کرنی پڑتی ہے، ان کی مالی تحریص، عبادت گاہ اور مکتب کا انتظام اور دوسری ترغیبات سب کی سب اکارت ہو جاتی ہیں، اگر مسلمانوں پر ان باغیانِ ختم نبوت کے افکار واعتقادات واضح ہو جائیں تو یہی کافی ہے۔

لیکن اس میں جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے کہ ہم نے اپنی تمام دینی تحریکات، تعلیمی نظام اور دعوتی کوششوں کا محور صرف پررونق شہروں کو بنالیا ہے اور ہمارے جو بھائی دیہات کی تیرہ وتاریک فضا میں رہتے ہیں، جہاں نہ علم کی روشنی ہے اور نہ برقی لیمپ، نہ خوبصورت سڑکیں، نہ راحت بخش عمارتیں اور عشرت کدے، ان غریب بھائیوں کو ہم نے بالکل بھلا رکھا ہے، ایسا کہ گویا ان سے ہمارا کوئی مذہبی اور ایمانی رشتہ ہی نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت ہماری طرف متوجہ ہے کہ ہم اپنے ان بھائیوں کی طرف نگاہِ محبت اٹھائیں، ان کے ایمان کی حفاظت کریں اور ان کو حقیقی صورت حال سے آگاہ کرنے کی کوشش کریں، ہماری تھوڑی سی توجہ انہیں ارتداد کی کھائی میں گرنے سے بچا سکتی ہے، ہم اپنی آمدنی کا بہت ہی معمولی حصہ نکال کر گاؤں گاؤں مکاتب کا نظام قائم کر سکتے ہیں، کتنے ہی گاؤں ہیں، جہاں سینکڑوں سال سے مسلمان آباد ہیں، لیکن وہاں ایک چھوٹی سی مسجد موجود نہیں، ہم چھپر کی سہی، ایک مسجد بنادیں، انہیں مسجدوں میں بچوں کی بنیادی دینی تعلیم کا انتظام کردیں اور علم کا ایک چراغ وہاں روشن ہو جائے، تو انشاء اللہ انہیں ہرگز گم راہ نہ کیا جاسکے گا اور کفر اپنی ساری سازشوں کے باوجود خاسر ومحروم ہی رہے گا، لیکن کیا ہم اس کے لیے تیار بھی ہیں؟؟

○❖○

ہم جنسی کی لعنت

حضرت اقدس مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ

اِس وقت جنسی بے راہ روی اور اَنارکی کا یہ عالم ہے کہ ''ہم جنسی'' (یعنی مرد اور عورتوں کا خلافِ فطرت خواہش رانی کرنا) کو باقاعدہ قانونی شکل دینے کی مہم چلائی جارہی ہے، حتیٰ کہ چند ماہ قبل ہندوستان کی عدالتِ عالیہ نے اِس منحوس عمل کو سند جواز عطا کرنے کا مکروہ فیصلہ کیا، جس کی جس قدر بھی مذمت کی جائے؛ کم ہے۔

کیوں کہ ہم جنسی ایسا غلیظ اور مکروہ عمل ہے کہ اِنسان تو اِنسان عام جانور بھی اِس بدترین عمل کے قریب نہیں جاتے۔ مشہور محدث اِمام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ: ''جانوروں میں سے بھی سوائے گدھے اور خنزیر کے کوئی جانور قوم لوط والا عمل نہیں کرتا''۔ (تفسیر درمنثور ۳/۱۸۷)

لیکن آج اپنے آپ کو مہذب اور اِنسانیت کی ٹھیکے دار قرار دینے والی یورپین قومیں اِس عملِ بد کی نہ صرف تائید کررہی ہیں؛ بلکہ اِس خلافِ فطرت تعلق کو قانونی شکل دینے پر تمام ممالک کو مختلف انداز سے مجبور کررہی ہیں، اور اُس پر طرہ یہ کہ بے غیرت اور بے ضمیر مغرب زدہ میڈیا نے ایسا ماحول بنادیا ہے کہ اگر کوئی شخص اِس عمل کی برائی ظاہر کردے تو اُس کے خلاف ہی مباحثے اور تبصرے شروع ہوجاتے ہیں۔

قومِ لوط کا بھیانک انجام

اِس بدترین جرم کا دنیا میں سب سے پہلے قوم لوط نے ارتکاب کیا تھا، یہ قوم اردن کے مشرقی جانب بحرمیت کے کنارے ''سدوم'' وغیرہ شہروں میں آباد تھی، اس کی ہدایت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا، جب حضرت لوط علیہ السلام نے اس قوم کے حالات کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ یہ پوری کی پوری قوم شرک وکفر کے ساتھ

ساتھ ہم جنسی کے گندے اور خلافِ فطرت عمل میں مبتلا ہے؛ بلکہ اس غلیظ عمل کی موجد بھی ہے کہ اس سے پہلے دنیا کی کسی قوم میں اس برائی کا وجود نہ تھا، شیطان لعین نے سب سے پہلے ''سدوم'' کے لوگوں کو ہی یہ گندی راہ سجھائی تھی، تو حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو نصیحتیں فرمائیں۔ قرآنِ کریم میں کئی جگہ ان کے ناصحانہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ہے:

وَلُوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ أَتَأْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ۔ إِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ، بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ۔ (الإعراف:۸۱-۸۰)

اور ہم نے لوط کو بھیجا، جب کہا اس نے اپنی قوم سے کہ کیا تم اس بے حیائی کے کام کو کرتے ہو جس کو تم سے پہلے سارے عالم میں کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر شہوت کے مارے دوڑتے ہو، یقیناً تم لوگ حد سے آگے گذرنے والے ہو۔

اور سورۂ شعراء میں ارشاد ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

أَتَأْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ، بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ۔ (الشعراء:۱۶۶-۱۶۵)

کیا تم دنیا کے مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو؟ اور چھوڑتے ہوئے اپنی بیویوں کو جو تمہارے رب نے تمہارے واسطے ہی بنائی ہیں؛ بلکہ تم لوگ حد سے گذرنے والے ہو۔

اس کے علاوہ بھی مختلف انداز میں حضرت لوط علیہ السلام انہیں سمجھانے کی کوششیں کرتے رہے؛ لیکن وہ لوگ ایسے خبیث الفطرت تھے کہ مان کر نہیں دیئے؛ بلکہ الٹے حضرت لوط علیہ السلام کا مذاق اڑاتے رہے اور انہیں اپنے علاقہ سے نکال دینے کی دھمکیاں دینے لگے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ إِلَّآ أَنْ قَالُوْٓا أَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ، إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ۔ (الأعراف:۸۲)

اور اس کی قوم نے یہی جواب دیا کہ ان کو اپنے شہر سے نکال دو یہ لوگ بہت پاکیزہ رہنا چاہتے ہیں۔

اور جب حضرت لوط علیہ السلام انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے تو وہ لوگ بڑی

جسارت اور ڈھٹائی کے ساتھ یہی کہتے کہ وہ عذاب لاکر دکھاؤ جس سے تم ڈراتے ہو، قرآنِ پاک میں ذکر ہے:

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (العنکبوت: ۲۹)	پھر اُن کی قوم کا کچھ جواب نہ تھا مگر یہی کہ بولے ہم پر اللہ کا عذاب نازل کرادیجئے اگر آپ سچے ہیں۔

اس قوم کی پے در پے شرارتوں اور خباثتوں سے تنگ آ کر بالآخر حضرت لوط علیہ السلام کے مقدس ہاتھ فریاد کے لئے بارگاہِ خداوندی میں اٹھ گئے اور ارشاد ہوا:

رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ۔ (العنکبوت: ۳۰)	اے میرے رب ان شریر لوگوں پر میری مدد فرمایئے!

یہ فریاد بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوئی اور اس منحوس وملعون قوم کو سبق سکھانے کا خدائی فیصلہ کرلیا گیا، اوراس کام کو انجام دینے کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت ''سدوم'' کے لئے روانہ ہوئی، جس نے بحکم خداوندی اپنی مہم پر جاتے ہوئے ملک شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی ملاقات کی (اور انہیں بڑھاپے میں ''اسحق'' نام کے ایک صاحب زادے کی بشارت سنائی) جس کا ذکر قرآنِ پاک میں کئی جگہ موجود ہے۔ پھر یہ فرشتے خوب صورت، اور بے ریش نوجوانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان بن کر پہنچے۔ خوب رو نوجوانوں کی خبر ملتے ہی اس شہوت پرست قوم کی خباثت نے انگڑائی لی اور آبرو باختہ افراد کا ایک ہجوم حضرت لوط علیہ السلام کی رہائش گاہ پر چڑھ دوڑا، یہ وقت حضرت لوط علیہ السلام کے لئے بڑی تنگی اور مشقت کا تھا، مہمانوں کی بے عزتی کے تصور سے ان کی پریشانی ناقابل بیان تھی، اور اس دیارِ غیر میں ان نازک حالات میں اپنی بے کسی کا بھی بڑا احساس تھا، چنانچہ آپ نے ان اوباشوں کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی حتی کہ (اپنے فعل بد سے باز آنے اور اپنی روش درست کر لینے کی شرط پر) اپنی صاحب زادیوں کا ان (میں سے ہم کفو افراد) سے رشتہ کر دینے تک کی پیش کش فرمادی، مگر انہیں نہ باز آنا تھا نہ باز آئے، اور پوری ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ ہمیں آپ کی لڑکیوں سے کچھ لینا دینا نہیں، ظاہر ہے کہ یہ خباثت اور گستاخی کی آخری حد تھی، بالآخر ان خبیثوں کی مسلسل شرارت اور حضرت

لوط علیہ السلام کی بے بسی دیکھ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنے بازو کو ان ہوس پرستوں پر کھینچ کر مارا جس سے وہ سب کے سب اندھے ہو گئے، اسی کو قرآن کریم میں اس آیت میں بیان کیا گیا:

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ أَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ۔ (القمر:۳۷)

اور اس سے اس کے مہمانوں کو لینے کا مطالبہ کرنے لگے پس ہم نے ان کی آنکھیں ملیا میٹ کردیں، اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔

نیز فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ ہم کوئی انسان نہیں ہیں؛ بلکہ آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور یہ خبیث آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اب ان لوگوں پر بڑا عذاب آیا ہی چاہتا ہے؛ لہٰذا آپ رات ہی میں صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنے لوگوں کو لے کر اس علاقہ سے فوراً نکل جایئے، اور جاتے وقت کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، اور جو پیچھے مڑ کر دیکھے گا وہ انہیں میں رہ جائے گا، چنانچہ پیچھے رہ جانے والوں میں حضرت لوط علیہ السلام کی وہ کافرہ بیوی بھی تھی جس نے فرشتوں کی آمد کی اطلاع اوباشوں کو دی تھی، پھر صبح ہوتے ہی اس قوم پر جو اندوہ ناک عذاب آیا ہے، اس کی منظر کشی قرآنِ پاک میں اس طرح کی گئی ہے:

فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ، مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّکَ، وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ۔(هود:۸۱-۸۲-۸۳)

پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے وہ بستی اوپر کی نیچے کر ڈالی اور ہم نے اس پر کنکر کے پتھر تہہ بہ تہہ برسا دئے، وہ سب پتھر تیرے رب کے پاس سے نشان زدہ تھے (ان پر عذاب کی خاص علامت تھی) اور اس طرح کا عذاب (ایسے) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔

تفسیری روایات میں ہے کہ قومِ لوط کئی شہروں میں آباد تھی، ہر شہر کی آبادی تقریباً ایک لاکھ نفوس پر مشتمل تھی، ان سب بستیوں کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوری زمین وغیرہ سمیت اوپر اٹھایا اور اسے آسمان تک لے گئے کہ آسمان والوں نے ان بستیوں کے جانوروں تک کی آوازیں اپنے کانوں سے سنیں، پھر وہیں سے ان بستیوں کو الٹ کر زمین پر پٹخ دیا، اور ساتھ میں نشان زدہ پتھروں کی بارش کر کے پوری قوم کو کچل دیا گیا، حتیٰ کہ اس قوم کے جو افراد دنیا میں ادھر ادھر گئے

ہوئے تھے ان پر بھی پتھر کی بارش کر کے ان کا کام تمام کر دیا گیا۔ (تلخیص: تفسیر ابن کثیر مکمل ۶۷۰۔۶۷۱)

قوم لوط پر جو عذاب آیا اس میں عذاب کی تقریباً تمام شکلیں بیک وقت جمع کر دی گئیں، اس میں اوباشوں کی آنکھوں کا اندھا ہوجانا پھر زلزلہ کا آنا، زمین کا دھسنا اور الٹنا بھی ہے اور پتھروں کی بارش کے ساتھ ساتھ پانی میں ڈبونے کا بھی عذاب یہاں جمع ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عمل اللہ کے نزدیک کس قدر قابل لعنت اور لائق غضب وعذاب ہے؟ اللّٰھم احفظنا منہ۔

اَحادیثِ شریفہ میں ہم جنسی کی مذمت

اس منحوس عمل کی احادیثِ شریفہ میں نہایت سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَخْـــوَفِ مَا أَخَــافُ عَلٰى أُمَّتِيْ أَوْ عَـــلٰى هٰذِهِ الأُمَّةِ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ۔ (رواه الترمذي ۱/۲۷۰ رقم: ۱۴۵۷، ابن ماجة ۱۸۴ رقم: ۲۵۶۳، شعب الإيمان ۴/۳۵۴ رقم: ۵۳۷۴، الترغيب والترهيب مكمل ۵۲۳/ رقم: ۳۶۸۳)

ان بدترین چیزوں میں جن کا مجھے اپنی اُمت پر سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔

اور سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ۔ (رواہ ابن حبان ۴۴۱۷، جامع المهلكات ۲۰۹)

اللہ کی پھٹکار ہے اس شخص پر جو قومِ لوط والا عمل کرے۔

اور سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا:

وَإِذَا كَثُرَ اللَّوْطِيَةُ رَفَعَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَدَهُ عَنِ الْخَلْقِ فَلاَيُبَالِيْ فِيْ أَيِّ وَادٍ هَلَكُوْا۔ (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل ۵۲۴ رقم: ۳۶۸۶)

جب لواطت (کسی قوم میں) عام ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ مخلوق سے (اپنی حفاظت ونصرت کا) ہاتھ اٹھالیتے ہیں اور پھر یہ پرواہ نہیں فرماتے کہ یہ لوگ کس وادی میں جا کر ہلاک ہوں گے۔

نیز سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

أَرْبَعَةٌ يُصْبِحُوْنَ فِيْ غَضَبِ اللّٰهِ وَيُمْسُوْنَ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ، قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَلْمُتَشَبِّهُوْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتُ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ، وَالَّذِيْ يَأْتِيْ الْبَهِيْمَةَ، وَالَّذِيْ يَأْتِي الرِّجَالَ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان ۴/۳۵۶ رقم: ۵۳۸۵)۔

چار طرح کے لوگ اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی میں شام کرتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (۱) عورتوں کی مشابہت کرنے والے مرد (۲) مردوں سے مشابہت رکھنے والی عورتیں (۳) وہ شخص جو جانور سے اپنی خواہش پوری کرے (۴) اور وہ شخص جو مردوں سے شہوت رانی کرے۔

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لاَ يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلٰى رَجُلٍ أَتٰى رَجُلاً أَوِ امْرَأَةً فِيْ دُبُرِهَا۔ (سنن الترمذي ۱/۲۷۰ رقم: ۱۱۶۵)

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے جو شخص کسی مرد یا عورت کے پیچھے کے راستہ سے شہوت پوری کرتا ہے۔

اِن اَحادیثِ شریفہ سے مذکورہ عمل بد کی شناعت کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عمل دنیاوآخرت میں تباہی وبربادی اور بدترین ذلت کا سبب ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ پوری اُمت کو اس سے محفوظ رکھیں۔ ○❖○

جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحہ فکریہ

حضرت مولانا ومفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

12 / ربیع الاول کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کا رواج کچھ عرصہ سے مسلسل چلا آرہا ہے، چوں کہ عہد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور قرون اولیٰ میں اس "عید" کا کوئی پتا نشان نہیں ملتا۔ اس لیے اکابر علمائے حق ہمیشہ یہ کہتے آئے ہیں کہ یہ دن منانے کی رسم ہم میں عیسائیوں اور ہندوؤں سے آئی ہے، تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں اس کی کوئی بنیاد نہیں ملتی، لہٰذا اس رسم کی حوصلہ افزائی کے بجائے حوصلہ شکنی کرنی چاہیے، مسلمانوں کا اصل کام یہ ہے کہ وہ ان رسمی مظاہروں کے بجائے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں اور ایک دن میں عید میلاد منا کر فارغ ہوجانے کے بجائے اپنی پوری زندگی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کی فکر کریں۔

یہ علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث کا موقف تھا اور بریلوی مکتب فکر کے حضرات اس سے اختلاف کرتے تھے، لیکن اب چند سال سے جو صورت حال سامنے آرہی ہے، اس میں یہ مسئلہ صرف دیوبندی مکتب فکر کا نہیں رہا، بلکہ ہر اس مسلمان کا مسئلہ بن گیا ہے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت اور حرمت وتقدیس کا کوئی احساس اپنے دل میں رکھتا ہو، اب صرف علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث ہی کو نہیں، بلکہ علمائے بریلی کو بھی اس پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے کہ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر یہ قوم دینی تباہی کے کس گڑھے کی طرف جارہی ہے؟ کیوں کہ جن حضرات نے ابتدا میں محفل میلاد وغیرہ کو مستحسن قرار دیا تھا، ان کے چشم تصور میں بھی غالباً وہ باتیں نہیں ہوں گی جو آج "جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا جزو لازم بنتی جارہی ہیں۔

شروع میں محفل میلاد کا تصور ایک ایسی مجلس کی حد تک محدود تھا جس میں سرور کائنات صلی

اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا بیان کیا جاتا ہو، لیکن انسان کا نفس اس قدر شریر واقع ہوا ہے کہ جو کام وحی کی راہ نمائی کے بغیر شروع کیا جاتا ہے، وہ ابتدا میں خواہ کتنا مقدس نظر آتا ہو، لیکن رفتہ رفتہ اس میں نفسانی لذت کے مواقع تلاش کر لیتا ہے اور اس کا حلیہ بگاڑ کر چھوڑتا ہے، چناں چہ اب اللہ کے محبوب ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام پر جو کچھ ہونے لگا ہے، اسے سن کر پیشانی عرق عرق ہو جاتی ہے۔

ہر سال "عید میلا د النبی" کے نام سے صرف کراچی میں ظلم و جہالت کے ایسے ایسے شرم ناک مظاہرے کیے جاتے ہیں کہ ان کے انجام کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے، مختلف محلوں کو رنگین روشنیوں سے دلہن بنایا جاتا ہے اور شہر کے تقریباً تمام ہوٹلوں میں عید میلاد اس طرح منائی جاتی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر لگا کر بلند آواز سے شب و روز ریکارڈنگ کا طوفان برپا رہتا ہے۔ بہت سے سینما "عید میلاد کی خوشی میں" سینکڑوں بلب لگا کر ان اخلاق سوز اور برہنہ تصویروں کو اور نمایاں کر دیتے ہیں جو اپنی ہر ہر ادا سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی نافرمانی کی برملا دعوت دیتی ہیں اور انہی مقامات پر انسانیت کی تصویروں کے سائے میں شاید تبرک کے خیال سے خانہ کعبہ اور روضہ اقدس کی تصویریں بھی چسپاں کر دی جاتی ہیں، ایک محلہ میں قدم قدم پر روضہ اطہر اور مسجد نبوی کی شبیہیں بنا کر کھڑی کی جاتی ہیں، جنہیں کچھ بے فکرے نوجوان ایک تفریح گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور کچھ بے پردہ عورتیں انہیں چھو چھو کر "خیر و برکت" حاصل کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جب پورے محلہ کو روشنیوں میں نہلا کر، جگہ جگہ محرابیں کھڑی کر کے اور قدم قدم پر فلمی ریکارڈ بجا کر ایک میلے کا سماں پیدا کر دیا جائے تو پھر عورتیں اور بچے ایسے میلے کو دیکھنے کے لیے کیوں نہ پہنچیں جس میں میلے کا لطف بھی ہے اور (معاذ اللہ) تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثواب بھی؟! چناں چہ راتوں کو دیر تک یہاں تفریح باز مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایسا مخلوط اجتماع رہتا ہے جس میں بے پردگی، غنڈہ گردی اور بے حیائی کو کھلی چھوٹ ملی ہوتی ہے۔

راقم الحروف ایک روز اس محلے سے گزرتے ہوئے یہ دل دوز مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور اس آیت قرآنی کے تصور سے روح کانپ رہی تھی، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا

ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے اور اس قرآن کے ذریعے ان کو نصیحت کرو، تاکہ کوئی شخص اپنے کیے میں اس طرح گرفتار نہ ہو جائے کہ اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی اور سفارش کرنے والا نہ ہو اور اگر وہ دنیا بھر کا معاوضہ دے ڈالے تب بھی نہ لیا جائے، یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے کیے میں گرفتار ہوئے، ان کے لیے کھولتا ہوا پانی پینے کے لیے ہوگا اور کفر کے سبب دردناک سزا ہوگی۔"

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس آیت کا مصداق بننے سے محفوظ رکھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس محلے سے گزرتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین پکار پکار کر یہ فریاد کر رہا ہے کہ "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ! تم گم راہی اور بے حسی کے کس اندھے غار میں جا گرے ہو؟ کیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا بدلہ یہی ہے کہ انہی کی محبت وعظمت کے نام پر ان کی ایک ایک تعلیم کو جھٹلاؤ؟ ان کے ایک ایک حکم کی نافرمانی کرو؟ اور ان کی یاد منانے کے بہانے جاہلیت کی ان تمام رسموں کو زندہ کر کے چھوڑو جنہیں اپنے قدموں تلے روندنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے؟ خدا کے لیے سوچو کہ جس ذات کو ساز ورباب اور چنگ وبربط کے توڑنے کے لیے مبعوث کیا گیا تھا، اس کے "جشن ولادت" میں ساز ورباب سے کھیل کر تم کس غضب الٰہی کو دعوت دے رہے ہو؟ جس ذات نے عورت کے سر پر عفت وعصمت کا تاج رکھا تھا اور جس نے اس کے گلے میں عزت وآبرو کے ہار ڈالے تھے، اس کی محبت وتقدیس کے نام پر تم عورت کو بے پردگی اور بے حیائی کے کس میلے میں کھینچ لائے ہو؟ جس ذات نے نام ونمود، ریا ونمائش، اسراف وتبذیر سے منع کیا تھا، یہ نمائشیں منعقد کر کے تم کس کی خوش نودی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اگر دین کی کوئی صحیح خدمت تم سے نہیں ہو سکتی، اگر تم اپنی عام زندگی میں اللہ کی نافرمانیوں کو ترک نہیں کر سکتے، اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تمہارے عیش پرست مزاج کو بار معلوم ہوتی ہیں، تو تمہاری زندگی کے بہت سے شعبے اس عیش پرستی کے لیے کافی ہیں، خدا کے لیے اللہ کے محبوب ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوا وہوس کا یہ بازار لگا کر اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مذاق تو نہ اڑاؤ، اس کے تقدس اور پاکیزگی کے آگے فرشتوں کی گردنیں بھی خم ہو جاتی ہیں، اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک حکم کی نافرمانی کرنے کے بعد تم کس چیز کی خوشی میں اپنے در و دیوار پر چراغاں کر رہے ہو؟

کیا تمہیں اس بات کی خوشی ہے کہ تم نے اپنی عملی زندگی میں اس دین برحق کی کوئی قدر صحیح سالم نہیں دیکھی؟" لیکن عیش ونشاط کی گونجتی ہوئی محفلوں میں کون تھا جو دین مظلوم کی اس فریاد کو سن سکتا؟

جن لوگوں کا مقصد ہی اس قسم کے ہنگاموں سے عیش ونشاط کا سامان پیدا کرنا ہے، ان کا تو کوئی ذکر ہی نہیں، لیکن جولوگ واقعتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت ہی کے خیال سے اس قسم کے جشن مناتے ہیں، وہ بھی یہ بات فراموش کررہے ہیں کہ اسلام اوراکابر اسلام کو دوسرے مذاہب اوران کے پیشواؤں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام نے جہاں ہمیں ان کی تعظیم اوران کے تذکرے کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے، وہاں ہمیں اس کا طریقہ بھی بتایا ہے، یہ وہ دین حق ہے جو ہمیں دوسرے مذاہب کی طرح رسمی مظاہروں میں الجھانے کے بجائے زندگی کے اصلی مقصد کی طرف متوجہ کرتا ہے اوراس کے لیے یہ اکابر اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ورنہ اگر اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ان رسمی مظاہروں کی طرح جانا جاتا تو آج ہم اس بات پر فخر محسوس نہ کرسکتے کہ ہمارا دین بفضلہٖ تعالیٰ اسی شکل میں محفوظ ہے جس شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی مذہب کے پیروکار محض ظاہری رسموں اورنمائشوں میں الجھ جاتے ہیں تو رفتہ رفتہ اس مذہب کی اصل تعلیمات مٹتی چلی جاتی ہیں اور بالآخر بے جان رسوم کا ایک ایسا ملغوبہ باقی رہ جاتا ہے جس کا مقصد انسانی نفسانی خواہشات کی حکم رانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور جو مادہ پرستی کی بدترین شکل ہے، ان تمام تقریبات کا اصل مقصد تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ان کے ذریعہ وہ خاص شخصیت یا وہ خاص واقعہ ذہن میں تازہ ہو جس کی یاد میں وہ تقریب منعقد کی جارہی ہے اور پھر اس سے اپنی زندگی میں سبق حاصل کیا جائے، لیکن انسان کا نفس بڑا شریر واقع ہوا ہے، اس نے ان تہواروں کی اصل روح کو تو بھلا کر، نابود کردیا اورصرف وہ چیزیں لے کر بیٹھ گیا جس سے لذت اندوزی اورعیش پرستی کی راہ کھلتی تھی۔ اس کی وضاحت ایک مثال سے ہوسکے گی۔

عیسائی قومیں ہرسال 25 دسمبر کو کرسمس کا جشن مناتی ہیں، یہ جشن دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جشن ولادت ہے اوراس کی ابتدا اسی مقدس انداز سے ہوئی تھی کہ اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اورآپ کی تعلیمات کو لوگوں میں عام کیا جائے گا، چناں چہ ابتدا میں اس کی تمام تقریبات کلیسا میں انجام پاتی تھیں اوران میں کچھ مذہبی رسوم ادا کی جایا کرتی تھیں، رفتہ رفتہ اس جشن کا

سلسلہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا؟ اس کی مختصر داستان، جشن وتقریبات کی ایک ماہر مصنفہ ہیرزلٹائن ہے، اس سے سنیے، وہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ "کرسمس" میں لکھتی ہیں:

"کئی صدیوں تک کرسمس خالصتاً ایک کلیسا کا تہوار تھا، جسے کچھ مذہبی رسوم ادا کر کے منایا جاتا تھا، لیکن جب عیسائی مذہب بت پرستوں کے ممالک میں پہنچا تو اس میں "سرمائی نقطہ انقلاب" کی بہت سی تقریبات شامل ہوگئیں اور اس کا سبب گریگوری اعظم (اول) کی آزاد خیالی اور اس کے ساتھ مبلغین عیسائیت کا تعاون تھا، اس طرح کرسمس ایک ایسا تہوار بن گیا جو بیک وقت مذہبی بھی تھا اور لادینی بھی، اس میں تقدس کا پہلو بھی تھا اور لطف اندوزی کا سامان بھی۔"

اب کرسمس کس طرح منایا جانے لگا؟ اس کو بیان کرتے ہوئے میری ہیرزلٹائن لکھتی ہیں:

"رومی لوگ اپنی عبادت گاہوں اور اپنے گھروں کو سبز جھاڑیوں اور پھولوں سے سجاتے تھے، ڈرائڈس (پرانے زمانے کے پادری) بڑے تزک واحتشام سے امربیلیں جمع کرتے اور اسے اپنے گھروں میں لٹکاتے، سیکسن قوم کے لوگ سدابہار پودے استعمال کرتے۔"

انہوں نے آگے بتایا ہے کہ:

"کس طرح شجر کرسمس (Chirstmas Tree) کا رواج چلا، چراغاں اور آتش بازی کے مشغلے اختیار کیے گئے، قربانی کی عبادت کی جگہ شاہ بلوط کے درخت نے لے لی، مذہبی نغموں کی جگہ عام خوشی کے نغمے گائے گئے اور: "موسیقی کرسمس کا ایک عظیم جزو بن گئی۔"

مقالہ نگار آگے رقم طراز ہے:

"اگرچہ کرسمس میں زیادہ زور مذہبی پہلو پر دیا گیا تھا، لیکن عوامی جوش وخروش نے نشاط انگیزی کو اس کے ساتھ شامل کر کے چھوڑا۔"

اور پھر...... "گانا بجانا، کھیل کود، رقص، ناٹک بازی اور پریوں کے ڈرامے تقریبات کا حصہ ہو گئے۔" (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص، 642۔اے ج5، مطبوعہ 1950ء مقالہ "کرسمس")

ایک طرف کرسمس کے ارتقاء کی یہ مختصر تاریخ ذہن میں رکھیے اور دوسری طرف اس طرز عمل پر غور کیجیے، جو چند سالوں سے ہم نے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے لیے اختیار کیا ہوا ہے، کیا اس سے یہ حقیقت بے نقاب نہیں ہوتی کہ:

ایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

اسلام اس عالم الغیب کا مقرر کیا ہوا دین ہے جو اس کائنات کے ذرہ ذرہ سے باخبر ہے اور جس کے علم محیط کے آگے ماضی، حال اور مستقبل کی سرحدیں بے معنی ہیں، وہ انسانی نفس کی ان فریب کاریوں سے پوری طرح واقف ہے جو تقدس کا لبادہ اوڑھ کر انسانیت کو گم راہ کرتی ہیں، اس لیے اس نے خاص خاص واقعات کی یادگار قائم کرنے کے لیے ان تمام طریقوں سے پرہیز کا حکم دیا ہے، جو ان کی اصل روح کو فنا کرکے انہیں عیش وعشرت کی چند ظاہری رسوم کے لیے بہانہ بنا سکتے ہوں، چناں چہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین کے دور میں ہمیں کہیں نظر نہیں آتا کہ انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت جیسے عظیم الشان واقعہ کا کوئی دن منایا ہو، اس کے برخلاف ان کی تمام تر توجہات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پھیلانے کی طرف مرکوز رہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے پر بھی ہم مسلمان بیٹھے ہیں اور اگر اسلام پر عمل کرنا چاہیں تو یہ دین ٹھیک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان تک پہنچایا تھا۔

لہٰذا اگر ہم اپنے اسلاف کے اس طرز عمل کو چھوڑ کر غیر مسلم اقوام کے دن منانے کے طریقے کو اپنائیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم دین کے نام پر کھیل تماشوں کے اسی راستے پر جا رہے ہیں جس سے اسلام نے بڑی احتیاطی تدابیر کے ساتھ ہمیں بچایا تھا، آپ کو معلوم ہے کہ اسلام نے غیر مسلم اقوام کی مشابہت سے پرہیز کرنے کی جا بجا انتہائی تدبیر کے ساتھ تلقین فرمائی ہے۔

غور فرمایئے کہ جس دین حنیف نے اس باریک بینی کے ساتھ غیر مسلم اقوام کی تقلید، بلکہ مشابہت سے بچانے کی کوشش کی ہے، اس کو یہ کیسے گوارا ہوسکتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش منانے کے لیے ان کی نقالی شروع کر دی جائے جنہوں نے اپنے دین کو بگاڑ بگاڑ کر کھیل تماشوں میں تبدیل کر دیا ہے؟

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر ہم اپنے ملک کے تمام علماء، دینی راہ نما، مذہبی جماعتوں اور با اثر مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلے پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائیں، ہماری یہ اپیل صرف اہل حدیث اور دیوبندی مکتب فکر کے حضرات کی حد تک محدود نہیں، بلکہ ہم بریلوی مکتب فکر کے حضرات سے بھی یہی گزارش کرنا چاہتے ہیں "عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام پر جو الم ناک حرکتیں اب شروع ہوگئی ہیں، وہ یقیناً ان کو بھی گوارا نہیں ہوں گی۔

فتنۂ اِرتداد؛ وجوہات اور سد باب

مولانا محمد اعظم قاسمی اُستاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

دور حاضر میں اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا، اس کے تئیں غیر مسلمین میں منافرت کے جذبات پیدا کرنا اور مسلمانوں میں تردد کی راہ ہموار کرنا ایک فیشن کی صورت اختیار کر گیا ہے، ایسے میں جہاں ایک طرف اسلام کے مطالعے کا شوق بڑھا ہے اور اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی پذیر ہے، وہیں ایک شور یہ بھی ہے کہ بکثرت لوگ اسلام سے خارج بھی ہو رہے ہیں، بحیثیت مسلمان ہمارے لیے زیادہ اہم یہ ہے کہ ہم ایسی تدبیریں اختیار کریں جس سے مسلمانوں کو اسلام سے خارج ہونے سے بچایا جاسکے، اس کے مقابلے میں غیر مسلمین کا اسلام میں داخل ہونا اتنا اہم نہیں، بالفاظ دیگر سرحدیں بڑھانے سے زیادہ اہم موجودہ سرحدوں کی حفاظت ہے۔

ارتداد کے چند واقعات

خبر آئی کہ چند ہفتے قبل ضلع باغپت یوپی میں ایک فیملی نے اپنے ۱۳/افراد کے ساتھ اسلام سے خارج ہوکر ہندو دھرم اپنا لیا تھا، اور یہ صرف اس وجہ سے ہوا تھا کہ ان کے گھرانے کے ایک نوجوان نے پھانسی کا پھندا لگا کر خودکشی کر لی تھی، اور ان کا ساتھ دینے والا اور تعاون کرنے والا کوئی نہیں تھا، جب کہ متاثرہ گھرانے کو مسلمانوں سے تعاون کی اُمید تھی۔ (منقول)

ارتداد کے کئی دیگر واقعات بھارت کے مختلف صوبوں میں پیش آئے، جن میں مہاراشٹر سرفہرست ہے، اس کے کئی شہروں مثلاً ممبئی، پونے، ناسک، امراوتی وغیرہ اِسی طرح مدھیہ پردیش

کے بھوپال وغیرہ، گجرات کے احمد آباد وغیرہ، اتراکھنڈ کے دہرادون وغیرہ میں ارتداد کے بہت سارے واقعات دو سالوں کے اندر پیش آئے۔ ان سب کی نوعیت ایک جیسی ہے، سب میں مسلم لڑکیوں کو محبت کے جال میں پھنسا کر شکار کیا گیا۔ یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ یہ ہندو انتہا پسند تنظیموں کی منصوبہ بند سازش کا نتیجہ ہے، جس کا اعلان تقریباً دو سال پہلے آگرہ میں کیا گیا تھا کہ ہم ۲۱۰۰ نوجوان ایسے تیار کریں گے جو مسلم لڑکیوں کو محبت کے اسلحہ سے شکار کر کے یا تو اپنی بیوی بنا لیں گے یا اُن کو خراب کر کے اس حال میں چھوڑ دیں گے کہ وہ معاشرے میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں، پھر مجبوراً یا تو جسم فروشی کی راہ اختیار کر لیں یا خودکشی کر کے خود کو ہلاک کر لیں۔ ان معاملات میں ان انتہا پسند تنظیموں کی طرف سے بھرپور تعاون ہوتا ہے؛ بلکہ ایسے لڑکوں کو نقد رقم، انعامات اور دیگر سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔ کئی شہروں میں ایک ایک مہینے میں مسلم لڑکیوں کی طرف سے کورٹ میرج کے لیے ۱۲ / ۱۳ درخواستیں پہنچتی ہیں اور ان درخواستوں کو لڑکے اور لڑکی کی تصاویر کے ساتھ عام کیا جاتا ہے؛ تاکہ لڑکی کے اہل خانہ کی طرف سے ردعمل سامنے آئے اور وہ جوڑا لوگوں کی نظروں میں خود بخود مظلوم ٹھہر جائے اور خود لڑکی کی نظر میں اس کے سرپرست و اہل خانہ ظالم ثابت ہوں۔

مرتد/مرتدہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

جس نے بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کر لیا یا کسی مفاد کے پیش نظر اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کو اپنا لیا اور مرتے دم تک اسی پر قائم رہا، تو اس کے سارے نیک اعمال جو اس نے اسلام کی حالت میں انجام دیے ہوں گے، وہ سب بے سود اور رائیگاں ہو جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا، اللہ رب العزت نے اِرشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا

اور اگر تم میں سے کوئی اپنا دین چھوڑ دے، اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ دوزخ

خَالِدُوْنَ۔(البقرة:۲۱۷) | والے ہیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آیت بالا کے تحت معارف القرآن میں یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ دنیا میں اعمال ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کی بی بی نکاح سے نکل جاتی ہے، اگر اس کا کوئی مورث مسلمان مرے اس شخص کو میراث کا حصہ نہیں ملتا، حالت اسلام میں نماز، روزہ وغیرہ جو بھی کیا تھا سب کالعدم ہوجاتا ہے، مرنے کے بعد جنازے کی نماز نہیں پڑھی جاتی، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہوتا، اور آخرت میں ضائع ہونا یہ ہے کہ عبادات میں ثواب نہیں ملتا؛ ابدالآباد کے لئے دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

نیز یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا کہ: مرتد کی حالت کافر اصلی سے شنیع تر (بدتر) ہے، اسی واسطے کافر اصلی سے جزیہ قبول ہوسکتا ہے، اور مرتد اگر اسلام نہ لائے اگر مرد ہے قتل کردیا جاتا ہے، اور اگر عورت ہے تو دوامِ حبس (ہمیشہ کی قید) کی سزا دی جاتی ہے، کیوں کہ اس سے اسلام کی اہانت ہوتی ہے، سرکاری اہانت اِسی سزا کے لائق ہے۔(تفسیر معارف القرآن ۱/۵۲۰-۵۲۱)

اسلام سے پھرنے والے کا خود اپنا ہی نقصان ہے، نہ تو وہ اسلام کو کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی وجہ سے اللہ تعالی کی شان میں کوئی کمی آئے گی؛ بل کہ اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کو دین کے کام کے لیے منتخب کرے گا جو کہ کوتاہی نہیں کریں گے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ۔(المائدۃ:۵۴)

اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کردے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، جو مؤمنوں کے لئے نرم اور کافروں کیلئے سخت ہوں گے، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

ارتداد کی بعض وجوہات

(۱) نفسانی وشہوانی محبت میں گرفتار ہو کر غیر مسلم محبوب کا دین اپنانا جو کہ اس وقت سب

سے زیادہ عام ہو رہا ہے، اس میں مخلوط تعلیم کا خاص رول ہے، اس کے سنگین نتائج بھی ظاہر ہو چکے ہیں، کئی واقعات ایسے رونما ہوئے جن میں شادی کے بعد لڑکیوں کے ساتھ حیوانیت کا سلوک کر کے بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا، ایسی لڑکیاں نہ گھر کی رہیں اور نہ گھاٹ کی۔

(۲) اسکول سے لے کر یونی ورسٹی تک کا نصاب تعلیم جو کہ گمراہ کن مواد پر مشتمل ہوتا ہے، جس سے دینی شعور بالکل ختم ہو جاتا ہے، اور کافرانہ ومشرکانہ عقائد وافکار کی قباحت دل سے نکل جاتی ہے، بعض اوقات تو یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ پڑھی جانے والی باتیں اسلام کے خلاف بھی ہیں، پھر اگر کوئی بہکانے والا مل جاتا ہے تو آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں۔

(۳) فقر وفاقہ کی وجہ سے بھی بعض لوگ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔

(۴) مال وجمال ومنصب کی حرص: کئی مرتبہ باطل کی طرف سے مال کی پیش کش کی جاتی ہے، اسی طرح کسی خوب صورت لڑکی سے شادی کر دینے یا کوئی عہدہ دینے کی بات کہی جاتی ہے، تو جن کی طبیعتوں میں حرص ہوتی ہے اور دین داری بھی نہیں ہوتی ہے وہ آسانی سے ارتداد کا شکار ہو جاتے ہیں۔

(۵) دینی تعلیم کا فقدان بھی دین سے پھرنے کی بہت خاص وجہ ہے۔

(۶) باطل افکار ونظریات پر مشتمل لٹریچر پڑھنا، یہ اس زمانے میں انٹرنیٹ کی وجہ سے بہت آسان ہو گیا ہے، ایسی بہت ساری ویب سائٹس ہیں جو اسلام کے نام سے چلائی جا رہی ہیں؛ مگر اس میں مواد اسلام مخالف ہے۔

(۷) باطل تحریکوں، تنظیموں اور ان کے مبلغین کی جد وجہد بھی بعضوں کو اسلام سے برگشتہ کر دیتی ہے۔

(۸) ٹی وی چینلوں کی بھرمار اور ان پر ہمہ وقت چلنے والے ملحدانہ پروگرام اور سیریل بھی اسلام سے دور کرتے ہیں۔

ارتداد کی یہ چند وجوہات ہیں جو بہت سنگین نتائج کی حامل ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں۔

ارتداد کے سدباب کی بعض تدابیر

(۱) دینی بیداری لانے کے لیے مساجد کے منبروں، جلسوں اور گھروں میں منعقد کی جانے والی نشستوں کے ذریعے دین کی باتیں عام فہم اور مؤثر انداز میں پیش کی جائیں، خاص طور پر ایمانیات، اسلام کی حقانیت اور ختم نبوت پر عقل ونقل کی روشنی میں مدلل گفتگو کی جائے، یعنی اس بات کی بھرپور کوشش ہو کہ عوام کے ذہن میں یہ بات بصیرت کے ساتھ بیٹھ جائے کہ ہمارا معبود ہی برحق معبود ہے، ہمارے نبی ہی خاتم النبیین اور پیشواؤں میں جامع اور کامل ترین پیشوا ہیں اور اسلام ہی سچا مذہب ہے۔

(۲) کفر وشرک کی قباحت اور اس کے نقصان کو کھل کر بیان کیا جائے اور بتایا جائے کہ اس کے نتیجے میں آخرت کی کیسی کیسی سخت سزاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا، نیز دنیا میں بھی سابقہ قوموں کی ان کے کفر وشرک کی بنا پر کیسی سخت پکڑ ہوئی۔

(۳) جگہ جگہ دینی مکاتب قائم کیے جائیں، ان میں خاص طور سے ان بچوں اور بچیوں کو ترجیح دی جائے جو اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان کو قرآن پاک کے ساتھ ساتھ دینیات کی ضروری تعلیم التزام کے ساتھ دی جائے۔

(۴) تعلیم بالغان کا بھی نظم کیا جائے اور گھروں میں بھی تھوڑی دیر دینی کتابیں پڑھ کر سنانے کا اہتمام کیا جائے جو علماء سے مشورے کے بعد مقرر کی جائیں۔

(۵) عوام کو علماء ربانیین سے جوڑنے کی کوشش کی جائے، اگر علماء کی ہفتہ واری مجلس ہوتی ہو تو ان میں پابندی سے جایا جائے اور دیگر لوگوں کو لے جانے کی کوشش کی جائے۔

(۶) مخلوط تعلیم سے اجتناب کیا جائے، اگر ایسے اسکولوں اور کالجوں کی قلت ہے جن میں مخلوط تعلیم نہیں ہے تو اپنے اسکول اور کالج قائم کیے جائیں جن میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم اور دینی ذہن سازی کا باقاعدہ نظم ہو۔

(۷) اپنے بچوں اور بچیوں کی مصروفیات پر نظر رکھی جائے، ان کے دوستوں اور ہم نشستوں کے اَحوال و اَخلاق پر بھی نظر رکھی جائے اور بچیوں کو خود اسکول و کالج بھیجنے کا التزام کیا

جائے یا کوئی انتہائی محفوظ طریقہ اپنایا جائے، نیز گاہے بگاہے ان کی حاضری کا بھی جائزہ لیا جائے؛ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ گھر سے پڑھنے کے بہانے نکل کر کہیں اور تو نہیں جا رہے ہیں۔

(۸) کچھ ایسے افراد بھی تیار کیے جائیں جن کے اندر دینی حمیت وغیرت ہو ان کو اسکولوں اور کالجوں کے ارد گرد خفیہ طور پر نظر رکھنے کے لیے لگایا جائے جو دیکھیں کہ کسی لڑکی کی دوستی کسی لڑکے سے تو نہیں ہے اور خاص طور سے کسی غیر مسلم سے تو نہیں ہے، اگر ایسا ہو تو سرپرستوں کو مطلع کیا جائے۔

(۹) خدمت خلق کے لیے جس طریقے پر بہت سی تنظیمیں اور تحریکیں کام کر رہی ہیں ان کے ساتھ ساتھ مقامی طور پر بھی محلوں محلوں میں کوئی نظام ایسا قائم کیا جائے جس کے ذریعہ اہل ضرورت کی ضرورتیں پوری کی جا سکیں، نیز غرباء ومساکین اور ناداروں کا خاص لحاظ رکھا جائے۔

(۱۰) شادی جلدی اور کم خرچے والی کی جائے اور جو نادار ہیں ان کی شادی کرانے کی ذمے داری لی جائے، شادی دیر سے ہونے کی وجہ سے بھی بکثرت نوجوان شہوانی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی یہ محبت انتہائی پس ماندہ غیر مسلمین سے بھی ہو جاتی ہے۔

(۱۱) موبائل اور انٹرنیٹ کے استعمال پر خاص نظر رکھی جائے، بہت ساری خرابیوں کی جڑ یہی ہے۔

(۱۲) آخرت کی فکر اور اللہ کا خوف پیدا کرنے کی بچپن ہی سے کوشش کی جائے اور بچوں کا وقت خالی بہت کم ہی رکھا جائے، ان کو تعلیم یا کسی مباح کام میں مشغول رکھا جائے، اسی طرح بڑے بچوں کو تعلیم کے اوقات کے علاوہ اپنے کام وغیرہ میں شریک رکھا جائے۔

یہ کچھ باتیں ذہن میں آئیں، امید ہے کہ ان پر عمل کرنے سے فتنۂ ارتداد سے کافی حد تک بچا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین

❏❏❏

رہبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام انسانیت

مولانا محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی

نبی کریم، علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات طیبہ دراصل نزول وحی سے عبارت تھی۔ اِدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر عزیز کا سفر طے کر رہے تھے، اُدھر دین اپنے کمال کو پہنچ رہا تھا، تا آں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اپنے تمام کو پہنچی تو ساتھ ہی: ﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی﴾ (آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتوں کا اتمام کر دیا) کا اعلانیہ جاری کر دیا گیا، آپ کو ﴿انک لعلی خلقٍ عظیم﴾ (یقینی طور پر آپ عظیم طرز زندگی کے حامل ہیں کی سند عطا کر دی گئی اور "کان خلقہ القرآن" (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی (طرز زندگی) ہی قرآن ہے) کے ذریعہ امت سے بھی اس کی شہادت دلوا کر "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (تمہارے لیے رسول اصلی اللہ علیہ وسلم کی (طرز زندگی) میں (زندگی گزارنے کا) اچھا نمونہ ہے۔ تا قیامت آنے والی ساری انسانیت کو پابند کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے اور آپ کی حیات طیبہ دین سے عبارت ہے اور دونوں باہم دگر اس طرح سے پیوستہ ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ایسا ہی ہے جیسے پانی سے اس کی نمی کو، جسم سے اس کی روح کو، پھول سے اس کی مہک کو، یا بادصبا سے اس کی خوش گواری کو جدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

دین چوں کہ زندگی کے ہر شعبہ کو شامل اور ہر اعتبار سے کامل ہے، لہٰذا ایسا ممکن نہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات طیبہ میں کوئی گوشہ ایسا تشنہ رہ گیا ہو جس سے عام انسانی زندگی کے کسی گوشہ کی سیرابی رہ گئی ہو۔ تجارت ہو، زراعت ہو، سیاست ہو، معاشرت ہو، عبادت ہو، امن

ہو، جنگ ہو، انفرادی مسائل ہوں یا اجتماعی معاملات، گھر کے ہوں، محلہ اور پڑوس کے، ملک کے ہوں یا بیرون ملک کے، قرآن مجید کی رو سے سب کے اصول وضوابط کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا: ﴿**وکل شیءٍ فصلناہ تفصیلا**﴾ ہر چیز (کے اصول وضابطہ) کو ہم نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے) اور: ﴿**وتفصیل کل شیء**﴾ (یہ قرآن) ہر چیز (کے اصول وضابطہ) کو تفصیل سے بیان کرنے والا ہے اور" کان خلقہ القرآن" گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کو عملی طور پر پیش کر کے، یا زبانی طور پر سمجھا کے یا بنظر استحسان دیکھ کے اور خاموشی اختیار کر کے امت کے سامنے واضح کر دیا۔

اب امتِ مرحومہ کی ذمہ داری ہے کہ اپنی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا عکس اور اپنی شخصیت کے ہر پہلو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی دھنک تلاش کرے۔ کیوں کہ یہی وہ رنگ ہے جس کو "صبغۃ اللہ" (اللہ کا رنگ) کہا گیا ہے۔ یہ رنگ ایک مسلمان فرد یا مسلم معاشرہ کی زندگی کے جس پہلو سے چھٹے گا، وہاں سے اس کی زندگی بے نور اور بد رنگ نظر آئے گی۔

آج ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ایک گوشہ شدت سے اس بات کا منتظر ہے کہ اس کی بے نوری اور بدرنگی کو اُلوہی اور نبوی رنگ بھر کر پُرکشش اور خوش منظر بنایا جائے، تاکہ ہر ذوق مند اس کی داد دے، ہر ناظر اس کو سراہے اور آخر کار اپنی زندگی کو اس میں رنگنے کی خواہش ظاہر کرے۔

یہ پہلو غیر مسلم برادرانِ وطن اور دیگر ملل و مذاہب کے حامل افراد کے ساتھ معاشرت اور معاملات کا ہے، یہ پہلو ہر انسان کو، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، دوست ہو یا دشمن، اس نظر سے دیکھنے کا ہے جس میں انسانیت ہو، آدمیت ہو، اخوت اور رواداری ہو، جو ہر شخص کو سب سے پہلے اس پہلو سے دیکھے کہ وہ ایک آدمی اور انسان ہے اور اس رشتہ اور اخوت کی بنا پر اس کے ساتھ معاملہ کرے۔ مصیبت میں اس کی دست گیری کرے، بیماری میں اس کی عیادت کرے، ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے میں اس کا ساتھ دے اور غمی وخوشی میں اس کا شریک رہے۔

آج ہمارے دین دار طبقہ کا رویہ اپنے ہم وطنوں کے ساتھ یہ ہے کہ انہوں نے ہم پر ظلم کیا

کیا کہ ہم نے ان کو انسان سمجھنا ہی چھوڑ دیا، ان کی طرف دیکھنا ہمیں گوارا نہیں، ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے کترانے لگے اور ایک ایسی خلیج اپنے اور ان کے درمیان حائل کر لی کہ ایک محلہ اور ایک معاشرہ میں رہنے کے باوجود: ﴿بینهما برزخ لایبغیان﴾ کی شبیہ بن بیٹھے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات طیبہ پر نظر ڈالیے تو یہ بے نیازانہ، بلکہ معاندانہ رویہ کہیں نظر نہیں آئے گا، حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر غیر مسلموں کی جانب سے کم مظالم نہیں ڈھائے گئے، بلکہ بہت سے واقعات ایسے ہیں کہ تاب سماعت نہیں رکھتے، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جنگ کے علاوہ) ان سے کبھی معاندانہ رویہ نہیں اختیار کیا، بلکہ اخلاق کے وہ نمونے پیش کیے کہ تاریخ انسانیت ان کے پیش کرنے سے قاصر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر امت کو یہ تعلیم دی کہ ظلم کا علاج ظلم اور حق تلفی کا بدلہ حق تلفی نہیں ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے حق کو معاف کر کے دوسروں کے حق کی ادائیگی پر زور دیا۔ ذرا سیرت کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں تو سہی!! کیسے کیسے واقعات ہیں جن پر انسانیت سر دُھنتی ہے اور حیوانیت اپنے بال نوچتی ہے اور شاید یہی وہ معیار اخلاق ہے جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو خلق عظیم قرار دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کو اسوۂ حسنہ کا مقام عطا کیا گیا اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانی دشمن کو بھی محبت کی نظر سے دیکھا، آپ کا قلب مبارک اس کی محبت سے معمور رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آخرت کی فکر کرتے رہے اور کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح وہ جنت کے راستہ پر آجائے اور دوزخ کے راستہ سے ہٹ جائے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم پتنگوں کی طرح اس میں گرے جا رہے ہو؟! حق تعالیٰ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمادیا: ﴿**لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مؤمنین**﴾ (شاید آپ اپنی جان ہی گھلا ڈالیں گے اس (غم میں کہ) یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے) یقینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وسیع النظر فی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا معجزانہ پہلو ہے اور اس کی اعجازی کیفیت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب

ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد کے ماحول کو دیکھتے ہیں جو اخلاقی زوال کی علامت بن چکا تھا او رجہاں انسانیت اخلاقی قدروں کی پامالی کی بنا پر لہولہان ہو چکی تھی۔

وحی اول کے نزول کے وقت ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فرمانا کہ: اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضائع نہیں کرے گا، کیوں کہ آپ دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں، نادار کو عطا کرتے ہیں، اقرباء سے صلہ رحمی کرتے ہیں۔خواہ آج ہمیں یہ باتیں عام سی معلوم ہوتی ہوں، بایں معنی کہ ہم نے حضور کی سنتوں کو زندہ کرنے والوں اوران کے نقش قدم پر چلنے والوں کو ایسا کرتے ہوئے خوب دیکھا ہے اورخوب ان کے قصے سنے ہیں، لیکن یہی باتیں اس وقت ام المؤمنین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آثار وشاہد معلوم ہوئیں اوران کے دل میں ان باتوں کی اتنی عظمت جاگزیں ہوئی کہ وہ یقین کے ساتھ کہہ بیٹھیں کہ: اللہ آپ کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ یہ باتیں گویا اخلاقی قدروں میں بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنتیں ہیں جنہوں نے سخت سے سخت پتھر کو بھی موم کر ڈالا اور سخت سے سخت جانی دشمن کو جان نچھاور کرنے والا دوست بنا ڈالا اور وہ لوگ جو آپ کے لائے ہوئے دین سے بیزار تھے، اس کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی تعلیم کا ترک کرنا ان کے لیے سوہان روح ہو گیا، آج کے تاتار بھی بلاشبہ اس دین کے گرویدہ ہو جائیں اگر ان کو میل جول اوراختلاط کے ذریعہ دین اسلام کی ایک جھلک دیکھنے کو مل جائے۔

امت مسلمہ کا وہ طبقہ جو اپنی دین داری میں مشہور وممتاز ہے اور جو نماز، روزہ اور حج جیسے عظیم اوراہم ارکان اسلام ہی نہیں، وضو اور غسل تک کی سنتوں اور مستحبات کا اہتمام کرتا ہے اور یقینا ان کا یہ اہتمام انتہائی مبارک اور مسعود، لیکن کیا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سنتوں کا بھی اہتمام کرتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ مرہ کی زندگی میں پڑوسیوں، بوڑھوں، کمزوروں، پریشان حالوں، بیماروں، ناداروں، بے روزگاروں اور مظلوموں کی اعانت ونصرت اور خیر خواہی ودست گیری سے متعلق ہیں؟ اور جس میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی قید نہیں، بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ او ران میں سے ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازی کی اور ناحق

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا اور طرح طرح کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مظالم ڈھائے، ان کے ساتھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن سلوک کی مثالیں قائم کیں اور آپ کا رویہ ان کے ساتھ صرف ظاہری حد تک نہ تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور انسانیت ان تمام مثالوں میں اسی طرح محسوس کی جاسکتی ہے جیسے گل سرسبد میں اس کی خوش بو۔

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جب امت دین کے کسی حکم یا نبی کی کسی سنت کو ترک کرتی ہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ پھر اس پر عمل کرنا مشکل ہوتا چلا جاتا ہے، دعوت کا عمل ترک کیا جائے گا تو ایسا وقت آئے گا کہ چاہنے کے باوجود دعوت دینا مشکل ہو جائے گا، نمازیں ترک کی جائیں گی تو نماز کے لیے مسجد بنانا، بلکہ مسجد بچانا مشکل ہو جائے گا، اسی طرح ہر سنت اور ہر عمل کا حال ہے، ماضی اور حال میں ہم نے اس کا خوب مشاہدہ کیا ہے اور کر رہے ہیں، غرناطہ اور اشبیلیہ اور سمرقند و بخارا کی تاریخ اس پر گواہ ہے اور خود ہمارے ملک کے حالات اسی رخ پر جا رہے ہیں۔ ہمیں زندگی کے ہر شعبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے: یا ایھا الذین آمنوا ادخلو فی السلم کافۃ (اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ)۔ جزوی دین پر عمل ناکافی ہے اور جو پہلو عمل کا تشنہ رہے گا وہیں سے خسارہ اور نقصان اٹھانا پڑے گا، خواہ باقی شعبوں کے اندر دین داری اور سنت شعاری میں کوئی کمی نہ ہو، تاریخ میں ایک معمولی سنت مسواک تک کے ترک کرنے کا اثر دیکھا گیا ہے۔

ایک دوسرے پہلو سے اگر دیکھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیمات اور سنتیں ایسی ہیں جو ہماری معاشرت کی ظاہری شکل کو تشکیل دیتی ہیں، یہیں سے غیر ہمارے دین سے واقفیت حاصل کرتے ہیں اور مذہب اسلام کا یہی پہلو سب سے پہلے ان کے سامنے آتا ہے اور ہماری زندگی کا یہی گوشہ سب سے زیادہ بدنما ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کی سنتوں سے محروم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم دنیا کی سب سے زیادہ ستم رسیدہ قوم ہونے کے باوجود سب سے بڑے ظالم بھی مشہور ہیں، دشمن نے اپنے وسائل سے یہی باور کرایا ہے اور ہم اپنے عمل سے

اس کو غلط ثابت نہیں کر پا رہے ہیں۔ حال یہ ہو گیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کہیں اخلاق ورحم دلی کا نمونہ پیش کر دے تو دنیا حیرانی سے اسے دیکھتی ہے کہ اچھا کیا یہ لوگ بھی ایسا جذبہ رکھتے ہیں اور ایسے کام کر سکتے ہیں؟ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جا رہی ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو ہماری زندگی کے آئینہ میں دیکھا جا رہا ہے۔ گستاخی کرنے والوں سے پہلے ہمیں خود کو دیکھنا چاہیے کہ ہم نے اپنے عمل سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف نہیں کرایا، بلکہ ہمارے عمل سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ اللعالمینی پر حرف آیا ہے۔

باطل نہیں چاہتا کہ ہم اپنے برادران وطن سے میل جول رکھیں، اسی لیے اس نے منافرت کا ماحول گرم کیا ہے، تاکہ ہم اور ہمارے دین کی خوبیاں برادران وطن پر ظاہر نہ ہونے پائیں۔ اس کا توڑ یہی ہے کہ حالات کی ناسازگاری کے باوجود ہم ہمت سے کام لیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات طیبہ سے سبق لیں کہ انہوں نے اس سے بھی سخت حالات میں غیروں کی تئیں اپنا فریضہ انجام دیا، ان کی خبر گیری، دست گیری اور خیر خواہی کی، اس وقت بھی جب وہ ظلم ڈھا رہے تھے اور اس وقت بھی جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مساعی کو قبول فرما کر ان پر غلبہ عطا کر دیا تھا۔ یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے: ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

سال کا وہ مبارک ومسعود مہینہ جس میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی، ایک بار پھر آ چکا ہے۔ اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو یہ عہد کرنا چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کے اس گوشہ کو بھی نبوی رنگ میں رنگنے کی کوشش کریں گے اور اقوام عالم کے سامنے "خلق عظیم" کا عکس جمیل پیش کر کے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل تعارف کرائیں گے، تاکہ اگر کوئی خرد ماغ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو خود اس کی قوم اس کو کیفر کردار تک پہنچائے، واللہ ولی التوفیق۔

عشقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم باقی!

مفتی محمد مجیب الرحمن دیودرگی

ایک مسلمان کا حقیقی سرمایہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعشق ہے، اگر کوئی دل عشقِ نبی سے خالی ہوتو وہ دل دل کہلانے کا مستحق نہیں، احادیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے محبت ہی کو ایمان کامل کی علامت قرار دیا ہے، ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کا کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی ذات سے، اس کے والدین سے، اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (مشکوۃ: ص12) علّامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تکمیلِ ایمان کا مدار حبِّ رسول پر ہے، جس شخص میں ذاتِ رسالت سے اس درجے کی محبت نہ ہو کہ اس کے مقابلے پر دنیا کے بڑے سے بڑے رشتے، بڑے سے بڑے تعلق اور بڑی سے بڑی چیز کی محبت بھی بے معنیٰ ہو، وہ کامل مسلمان نہیں ہوسکتا، اگر چہ زبان وقول سے وہ اپنے ایمان واسلام کا کتنا ہی بڑا دعوی کرے۔ (مظاہرِ حق جدید 1 /76) آپ اسے محبت کا حقیقی مفہوم تو یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر ہر چیز کو قربان کردے، اس کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے علاوہ دیگر تمام چیزیں ہیچ ہوں، اتباع کے بغیر محبت کا تصور ہو ہی نہیں سکتا، اسی لیے ہر مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی میں اپنی کامیابی سمجھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بے شمار واقعات ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محبت کے واقعات انتہائی قابلِ رشک ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے اور اپنی شہادت کا برملا اعلان فرمایا تو کفارِ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وزخمی کردیا؛ لیکن ان سب کے باوجود جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش آیا تو انہوں نے اپنے سلسلہ میں کوئی گفتگو نہیں فرمائی؛ بلکہ انہوں نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا، اور جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر نہ دی گئی اس وقت تک کوئی چیز

استعمال نہ کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کیسی محبت تھی؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک انہیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز تھی؛ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تکالیف خود برداشت کرتے، پریشانیاں خود اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت پہنچانے کی فکر میں رہتے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا غزوہ احد میں حیرت انگیز طرزِ عمل سیرت کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی خاطر اپنی پیٹھ کو تیروں کے لیے ڈھال بنالیا تھا؛ یہاں تک کہ بہت سارے تیر ان کی پیٹھ پر لگے۔ (سیرۃ ابن اسحاق 1 /328) عروہ ابن مسعود ثقفی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا تو بے اختیار بول اٹھا کہ میں نے تو ایسا قیصر وکسریٰ کے دربار میں بھی نہیں دیکھا۔

ایک صحابی حضرت زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ کا عجیب وغریب واقعہ ہے۔ جس پر کفار نے بھی حیرت واستعجاب کا اظہار کیا ہے۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو تختہ دار پر چڑھایا جارہا تھا تو اس موقع پر ابوسفیان نے کہا کہ اے زید! کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تم اپنے گھر والوں کے ساتھ اطمینان سے رہو اور تمہاری جگہ پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) تختہ دار پر چڑھایا جائے؟ اس موقع پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو جو جواب دیا وہ سیرت کی کتابوں میں جلی عنوان والفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم بخدا! میں تو اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام ہی پر رہیں اور انہیں کوئی کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے حواس باختہ ابوسفیان نے کہا کہ کوئی انسان کسی انسان سے اتنی محبت نہیں کرتا جتنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہیں۔ (شفاء2 /23) حضرت زید رضی اللہ عنہ گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے جتنی تکالیف ہو سکے وہ سب برداشت کر لوں گا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میں کسی ادنیٰ سی ادنیٰ تکلیف کو گوارا نہیں کرسکتا۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ، جو صاحب اذان کے لقب سے مشہور تھے؛ اپنے باغ میں کام کررہے تھے، اسی حالت میں ان کے صاحب زادے نے آکر یہ اندوہ ناک خبر سنائی کہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے ہیں، عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرمست یہ صحابی اس جان گداز خبر کی ضبط اور تاب نہ لا سکے، بے تابانہ فضا میں

ہاتھ بلند ہوئے اور زبان سے یہ حسرت ناک الفاظ نکلے، خداوند! اب مجھے بینائی کی دولت سے محروم کردے، تاکہ یہ آنکھیں جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوا کرتی تھیں اب کسی دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ (مظاہر حق جدید 1 / 77) مرد تو مرد تھے، انھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجے محبت تھی ہی؛ لیکن عورتیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے سلسلہ میں مردوں سے کہیں پیچھے نہیں تھیں؛ بلکہ عورتیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے معاملے مردوں کے دوش بدوش قدم بہ قدم تھیں۔

ایک انتہائی حیرت انگیز واقعہ اس انصاری عورت کا ہے جو احد کے میدان کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر دوڑ رہی تھی، راستہ میں کسی خبر دینے والے نے اس خاتون کو آگاہ کیا کہ تیرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، اس نے کوئی پروانہیں کی، اس نے یہ خبر سنی ان سنی کردی اور آگے بڑھتی چلی گئی، کسی نے اس خاتون کو دوبارہ مطلع کیا کہ تیرے بھائی کا انتقال ہو گیا اس پر بھی اس نے کوئی توجہ نہ دی اور بڑھتی ہی رہی، پھر کسی نے اسے مطلع کیا کہ تمھارے باپ کا بھی انتقال ہو چکا ہے، یہ سن کر بھی اس نے میدان احد کی طرف اپنا سفر جاری رکھا؛ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو دیکھ چکی تو بے اختیار اس کے زبان سے یہ الفاظ نکلے "کل مصیبة بعدک جلل" ہر مصیبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہیچ ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مصیبت کو ہم گوارا کر سکتے ہیں؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر ہمیں گوارا نہیں، یہ تھا دورِ نبوت کی عورتوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق، یہی وہ عشق ہے جس نے ان کی ذاتوں کو بقا نصیب فرمایا، نیز حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی محبت وعشق کے سلسلہ میں فرمایا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میرے نفس سے زیادہ محبوب ہیں عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ کوئی چیز مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہیں۔ (شفاء 2 / 21) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سلسلہ میں سوال کیا گیا تو کہا: قسم بخدا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے مال واولاد اور والدین، پیاس کے موقع پر ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ (شفاء 2 / 22) بعض حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں منقول ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی بنا پر نگاہ کو پھیرتے بھی نہیں تھے۔ (شفاء 2 / 31)

اسی طرح عورتوں کے عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عبّاس

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتی اور یہ کہتی کہ میں اپنے گھر سے، اپنے شوہر سے نفرت، عداوت، یا بغض کی وجہ سے نہیں نکلی ہوں! بلکہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گھر سے نکل آئی ہوں۔ (سبل الھدیٰ والرشاد 11 / 431) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک عورت آئی اور مجھ سے درخواست کرنے لگی کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر دکھاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبر دکھادی، وہ عورت قبر دیکھ کر رونے لگی، اتنا زیادہ روئی کہ وہ مرگئی۔ (شفاء 2 / 23)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ رات میں گشت لگانے کے لیئے نکلے، اتفاقاً ایک گھر میں چراغ کی روشنی نظر آئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑھیا اون بننے میں مصروف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اشعار پڑھ رہی ہے، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے اور اس بڑھیا کے پاس بیٹھ گئے، اس بڑھیا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں کئی اشعار پڑھے، جسے سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ (شفاء 2 / 23) حضرات صحابہ کرام کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک لیتے ان پر کپکپی طاری ہوجاتی، اور بہت زیادہ رونے لگتے، یہی حال دیگر تابعین کرام کا بھی ہوتا۔ (شفاء 2 / 26) الغرض آپ سے محبت کے بے شمار واقعات ہیں، جن کا احاطہ انتہائی دشوار اور ناممکن ہے، اس مختصر سے مضمون میں صرف چند واقعات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ واقعات ہمارے لیے عشقِ نبوی میں اضافہ کا ذریعہ بنیں، ان واقعات کو پڑھ کر ہم بھی اپنے اندرون میں عشقِ نبوی کی شمع روشن کریں اور عشق کے حقیقی مقتضا اتباعِ نبوی کا راستہ اپنائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے اتباع کو اپنا نصب العین بنالیں، اس لیے کہ دیگر تمام چیزیں ختم اور فنا ہونے والی ہیں؛ لیکن عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک ایسی عظیم اور بے بہا دولت ہے جس کو دوام ہی دوام ہے؛ بلکہ یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس ذات کے ساتھ مل جائے، اس فانی ذات کو بھی بقا کی دولت سے معمور کردیتا ہے، پھر اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے آسمان وزمین میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہ جاتے ہیں، اس لیے ہر مومن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اندرون میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کرنے کی حتی المقدور سعی وجدوجہد کرے، اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی سعی پیہم کرے۔ !

جوراتوں کوروتا تھا

محترم عثمان غنی، استاد جامعہ فاروقیہ کراچی، مقرثانی

قلم لرز رہا ہے، ہاتھ بے قابو، آنکھ نمدیدہ، تخیل سنجیدہ، سوچ کی نیّا ڈول رہی ہے، دل ہے کہ دشت تحیّر کی ویرانی میں گم صُم ٹھہرا ہے اور تصور انگشت بدندان ہے اور یہ حالت کیوں نہ ہو کہ سیرت کا بیکراں سمندر تخیل کے کرۂ ارض میں موج زن ہے، میں سیرت پر لکھوں تو کیا لکھوں؟ کہاں سے ابتدا ہو؟ کہاں انتہا ہو؟ سورج کو چراغ کیسے دکھایا جائے؟ سمندر کو کوزے میں کیسے بند کیا جائے؟ ازل سے ابد تک جاری اس فیض کو چند ساعتوں کے تابع کیسے کیا جائے؟ یہ ذرۂ ناچیز خورشید بداماں کیسے ہو؟ یہ ذرۂ بے نشان، تاج دار کائنات کی ثنا خوانی کرے تو الفاظ کہاں سے لائے؟ یہ ہیچ محض ذرۂ ناچیز ان کے گن گائے تو کیسے؟ یہ تو وہ موضوع ہے جس پر لکھنے سے پہلے دل کو آنسوؤں کے سمندر میں نہلایا جائے، حروف کو آب کوثر سے وضو کرایا جاتے، قلم کو عنبر میں بسایا جائے اور آنکھوں کو اثمد سے منور کرایا جائے، پھر رضوان سے جنت کے صفحات لے کر ان کے پاکیزہ نام کو لکھا جائے، آپ کی مدحت میں میری یہ ادنیٰ سی تحریر کسی صف میں کیسے کھڑی ہوسکتی ہے کہ نباتات و جمادات، شجر و حجر بھی اس دوڑ میں مجھ سے آگے ہیں۔ پرنور، دمکتے ملائک کا تو تذکرہ ہی کیا کہ دن رات لگا تار ان کا یہی مشغلہ ہے، صحابہ کے مقام بلند پر نظر پڑتی ہے تو یہ بلندی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ حیرت کا وجود غشی کھا کر گر پڑتا ہے۔ کاش اے صدیق (رضی اللہ عنہ)! میں تیرے پاؤں کا وہ ٹکڑا ہوتا، جو حب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ڈس لیا گیا یا اس سامان کا کوئی ذرہ ہوتا جو جنگ تبوک کے موقعے پر خدمت نبوی میں حاضر کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت تو وہ واحد ترانہ ہے جس کو خود خالق کائنات بھی پڑھتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ ہستی ہیں کہ جس کے لہو کے پاکیزہ قطرے طائف کے ذروں کو سینچتے ہیں، آپ کے جوتوں میں بھرے خون کی چپ چپ فرشتے سنتے ہیں تو بے قرار ہو کر خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، ادھر فرش پر یہ دن گزرا تو عرش

نے وہ دن بھی دیکھا کہ سدرہ کی سرحدوں کے اس پار اپنے محبوب سے دُو بدو گفت گو کا شرف ملا، باغ عدن کا سردار جب تبوک کی دھول پر قدم جماتا ہے تو چاند انگلی کے اشارے پر دو نیم ہونے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ وہ انسانیت کا محسن جب انسان کے ہاتھوں دندان شکستہ ہوتا ہے تو انسانیت کی خیر خواہی میں اور شدت اختیار کر لیتا۔

آیئے! حجرہ مبارکہ میں شب کے سکوت میں، محوِ عبادت، اس پُرنور بشر کو چشم تصور سے دیکھتے ہیں، وہ دیکھیے! وہ معصوم فرشتہ نما انسان رات کی تنہائی میں اپنے محبوب حقیقی سے محوِ کلام ہے، اسی حالت میں رات کا ایک پہر گزر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روتے جا رہے ہیں، آنسو بہتے چلے جا رہے ہیں۔ تصور جاری...... ارے یہ کیا؟ تصور کو تو نیند آ گئی، خیال کھو گیا، تصور سو گیا، کافی دیر بعد ہچکیوں کی مسلسل آوازوں اور آہ و فغاں کی شدت سے تصور پھر بیدار ہو گیا۔ نماز اسی طرح جاری، اشکوں کا ریلا اسی طرح بہتا چلا جا رہا ہے۔ اب رات کا آخری پہر شروع ہوا چاہتا ہے۔ ذرا غور تو کیجیے! یہ آہ و فغاں کیا ہے؟ اس نالہ و فریاد کے الفاظ تو سنیے! یہ ہچکیوں بھری پُر درد صدائیں کیا ہیں؟

ان تُعذ بهم فانهم عبادک وان تغفرلهم فانک انت العزيز الحكيم

اے اللہ! اگر آپ ان کو سزا دیں جب بھی آپ مختار ہیں کہ یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مالک اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو جرائم پر سزا دے اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو بھی آپ مختار ہیں کہ آپ زبردست قدرت والے ہیں اور حکمت والے ہیں۔

تصور انگشت بدنداں دیکھتا چلا جا رہا ہے، ارے یہ ابتدائے شب سے اب تک اپنے لیے نہیں رو رہے۔ یہ آنسو اپنی ذات کے لیے نہیں چھلک رہے ہیں، بلکہ یہ تو امت کے غم میں بے اختیار ڈھلک رہے ہیں۔

سلام اس پر جو امت کے لیے راتوں کو روتا تھا
سلام اس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا

حقیقت تو یہی ہے "مجھ میں ان کی ثناء کا سلیقہ کہاں؟" ان کی مدحت کا حق ادا کرنے کے لیے محبت سے لبریز دل ہونا چاہیے، اس دربار میں تابِ سخن کس کو ہے؟ یہ ذرۂ بے نشاں اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اتنا ہی لکھ سکتا ہے، باقی دل کو ہمت نہیں، قلم کو یارا نہیں، اللھم صل علی محمد کما تحب و ترضیٰ لہ۔

ختم نبوت کا عظیم مجاہد

آپ کا بیٹا آج شام تک کا مہمان ہے، اس کا کوئی علاج نہیں! ڈاکٹر کے یہ الفاظ سن کر مولانا رونے لگے، اپنے بیٹے کو گھر لے آئے، گھر میں کھڑے اپنے بیٹے کی تیمارداری کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی، مولانا دروازے پر گئے، باہر ایک بوڑھے شخص کو کھڑے پایا، حضرت نے سلام ودعا کے بعد پوچھا: "بابا جی! خیریت سے آئے ہو"؟ وہ کہنے لگا خیریت سے کہاں آیا ہوں، ہمارے علاقے میں ایک قادیانی مبلغ آیا ہوا ہے وہ لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے، پوری امت گمراہ ہو رہی ہے اور آپ گھر میں کھڑے ہیں، مولانا نے جیسے ہی یہ بات سنی آپکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، بیوی سے فرمایا بی بی! میرا بیگ کہاں ہے؟ بیوی نے بیگ اٹھا کر دیا اور آپ بیگ ہاتھ میں پکڑے گھر سے روانہ ہونے لگے، بیوی نے دامن پکڑ لیا اور کہنے لگی، مولانا! آخری لمحات میں اپنے نوجوان بیٹے کو اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ مولانا نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور روانہ ہونے لگے تو جاں بلب بیٹے نے کہا، ابا جان! میں آج کا مہمان ہوں چند لمحے تو انتظار کر لیجئے میری روح نکل رہی ہے مجھے اس حال میں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ مولانا نے اپنے نوجوان بیٹے کو بوسہ دیا اور فرمایا، اے بیٹے! بات یہ ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی خاطر جا رہا ہوں کل قیامت کے دن حوض کوثر پر ہماری تمہاری ملاقات ہوجائیگی یہ فرمایا اور گھر سے روانہ ہو گئے، اڈے پر پہنچے ابھی بس میں بیٹھے ہی تھے کہ چند لوگ دوڑے آئے اور کہنے لگے، مولانا! آپکا بیٹا فوت ہو چکا ہے اس کا جنازہ پڑھاتے جایئے، مولانا نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور گیلی آنکھوں سے فرمانے لگے، جنازہ پڑھانا فرض کفایہ ہے اور امت محمدیہ کو گمراہی سے بچانا فرض عین ہے، فرض عین کو چھوڑ کر فرض کفایہ کی طرف نہیں جا سکتا پھر وہاں سے روانہ ہو گئے اس علاقے میں پہنچے اللہ تعالی نے کامیابی عطا کی وہ قادیانی مبلغ بھاگ گیا مولانا تین دن کے بعد گھر واپس پہنچے، بیوی قدموں میں گر گئی اور رو کر کہنے لگی، مولانا! جب آپ جا رہے تھے تو بیٹا آپکی راہ تکتا رہا اور کہتا رہا جب ابا جان واپس آئیں تو انھیں میرا سلام عرض کر دینا، مولانا نے

جب یہ سنا تو فوراً اپنے بیٹے کی قبر پر گئے اور دعا مانگنے لگے اے اللہ! ختم نبوت کے وسیلے سے میرے بیٹے کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے مولانا دعا مانگ کر گھر واپس آئے تو رات بیٹے کو خواب میں دیکھا، بیٹے نے اپنے ابا سے ملاقات کی اور کہا کہ رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم! ختم نبوت کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے میری قبر کو جنت کا باغ بنا دیا ہے۔ ختم نبوت کے اس مجاہد کو دنیا حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت مولانا سید شاہ نفیس الحسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اے رسولِ امیں، خاتم المرسلیں ! تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق و یقیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے، جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے اَزل کے حسیں ، اے اَبد کے حسیں ! تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں
بزمِ کونین پہلے سجائی گئی، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
سید الاوّلیں، سید الآخریں ! تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
تیرے انداز میں وسعتیں فرش کی، تیری پرواز میں رفعتیں عرش کی
تیرے انفاس میں خُلد کی یاسمیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
مصطفیٰ مجتبیٰ، تیری مدح و ثنا، میرے بس میں نہیں، دسترس میں نہیں
دل کو ہمت نہیں، لب کو یارا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
چار یاروں کی شانِ جلی ہے بھلی، ہیں یہ صدیقؓ، فاروقؓ، عثمانؓ، علیؓ
شاہدِ عدل ہیں یہ ترے جانشیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
اے سراپا نفیس اَنفسِ دو جہاں، سرورِ دلبراں دلبرِ عاشقاں
ڈھونڈتی ہے تجھے میری جانِ حزیں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

○❖○